غامدی مذہب

حصہ اوّل

فتنہ غامدیت پر دستاویز
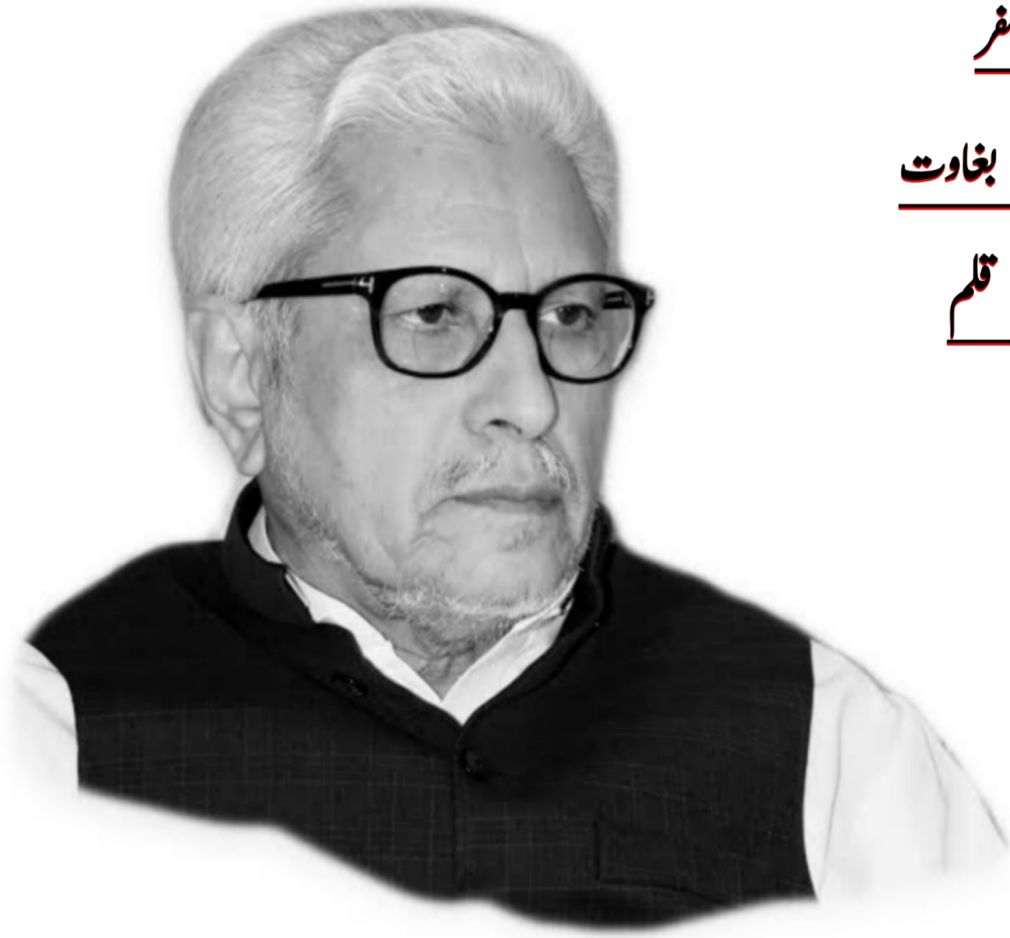
کاکو شاہ سے جاوید غامدی بننے کا سفر

جیو ٹی وی پر غامدی کی اسلام سے بغاوت

صحابیِ رسول اور غامدی کا بے لگام قلم

غامدی اخلاق کی حقیقت

غامدی کا سطحی علمی میعار

غامدی کے تضادات

غامدی کا دہرا معیار

غامدی کی علمی خیانتیں

حافظ محمد مدثر علی راؤ

خاکپائے اکابرین ختم نبوت

فہرست

عنوانات پر کلک کریں

غامدی کی عدم تحقیق یا علمی خیانت

قراءات اور جمع قرآن کی بابت غامدی کی علمی خیانت اور دہرے معیار

ابوعبدالرحمن السلمی اور امام زرکشی رحمتہ اللہ علیہم کی بابت علمی خیانت

ابوعبدالرحمن السلمی رحمتہ اللہ علیہ کی بابت غامدی کا دہرا معیار

امام ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ کی بابت غامدی کی علمی خیانت

امام ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ کی بابت غامدی کا دہرا معیار

ابن شہاب زہری رحمتہ اللہ علیہ کی بابت غامدی کا دہرا معیار

ابن شہاب زہری اور امام لیث بن سعد رحمتہ اللہ علیہم کے خط کی بابت غامدی کی عظیم خیانت

☆☆☆☆☆☆☆

کاکوشاہ سے جاوید احمد غامدی بننے کا سفر

عرب کا ایک قبیلہ "غامدی" جو کہ یمن، سعودی عرب، امارات اور امان میں آباد ہے۔ لیکن پاکستان ساہیوال میں یہ "غامدی" کیسے آ گیا؟ یہ ایک دلچسپ سوال ہے۔ لفظ غامد اور غامدی پر تاریخی تبصرہ کرنے سے پہلے ہم آپ کے سامنے "جاوید احمد غامدی صاحب" کے نام اور نسبت کی حقیقت واضح کر دیں تا کہ بات سمجھنے میں آسان ہو جائے۔

غامدی صاحب کی کتاب مقامات کے صفحہ 15 کے مطابق انکے والد کے پیر صاحب نے انکا نام " کاکوشاہ" تجویز کیا۔ چھوٹی خالہ نے "شفیق" اور بڑی خالہ نے " کاکا محمد" نام تجویز کیا۔ یہ بزرگ حضرات جب تک زندہ رہے اس وقت تک یہ لوگ اپنے اپنے پسند دیدہ ناموں سے انہیں پکارتے رہے۔

(ملاحظہ فرمائیں مقامات طبع سوم جولائی 2014 صفحہ 15)

میرا نام

میرے نام کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ والدہ کو ''جاوید'' پسند تھا۔ پیدائش کے بعد والد اپنے شیخ سے دعا کرانے کے لیے لے کر گئے تو اُنھوں نے فرمایا: اِس کا نام ہم درویشوں کے طریقے پر ہونا چاہیے۔ اِسے ''کاکوشاہ'' کہا کرو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ بادشاہ اِس کے پاس نیازمندانہ حاضر ہوں گے۔ میری چھوٹی خالہ برسوں والدہ کے پاس رہی تھیں۔ والد اور والدہ، دونوں اُن سے بہت محبت کرتے تھے۔ اُن کے ایک بیٹے مجھ سے تین سال بڑے تھے جن کا نام اُنھوں نے ''رفیق'' رکھا تھا۔ اِس کی مناسبت سے اُنھیں اصرار تھا کہ میرا نام ''شفیق'' رکھا جائے۔ وہ اِس کے سوا کوئی دوسرا نام قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھیں۔ اِس کے کچھ دنوں بعد بڑی خالہ دیکھنے کے لیے آئیں تو اُنھوں نے فرمایا: میں نے تو پہلے سے اِس کا نام ''کاکا محمد'' رکھا ہوا ہے۔ اب کیا کیا جائے؟ میرے گھر والوں نے اِس کا آسان حل یہ تلاش کیا کہ تمام نام قبول کر لیے۔ چنانچہ یہ بزرگ جب تک زندہ رہے، مجھے اپنی پسند کے ناموں سے پکارتے رہے۔
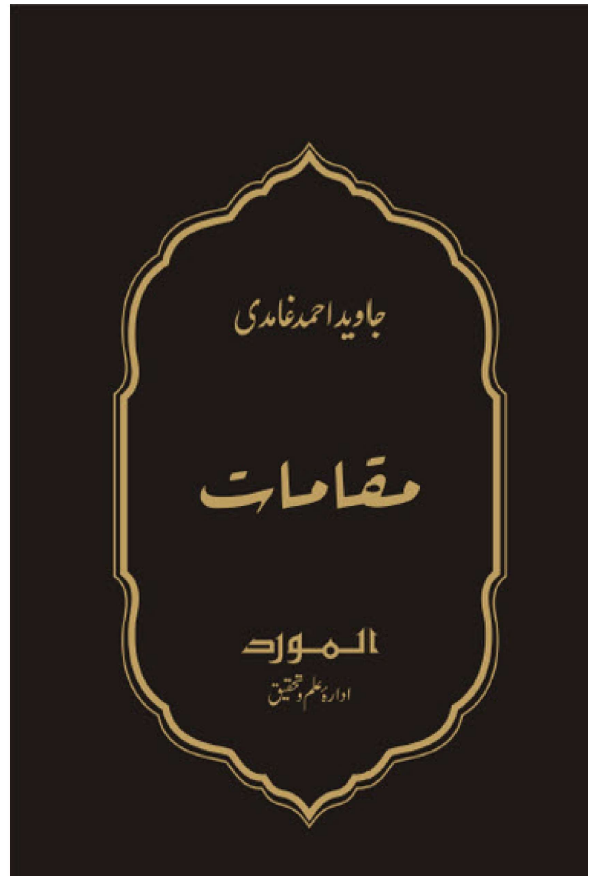
مقامات ۱۵

سکول میں جناب "شفیق" نام سے رجسٹرڈ ہوئے۔ شعور کی عمر کو پہنچنے کے بعد والدہ کے رکھے ہوئے نام "جاوید" کو بطورِ تخلص شامل کر کے "شفیق احمد جاوید" رکھ لیا۔ پھر کالج کے زمانے میں موصوف "جاوید احمد" کے نام سے مشہور ہو گئے۔

(ملاحظہ فرمائیں مقامات طبع سوم جولائی 2014 صفحہ 16)

2

جاوید احمد غامدی

مقامات

المورد

ادارۂ علم و تحقیق

مدرسہ میں داخلے کا وقت آیا تو والد موجود نہ تھے۔ اُس زمانے میں بعض اوقات وہ مہینوں کے لیے اپنے شیخ کی خانقاہ کوٹلی مغلاں چلے جاتے تھے۔ اُن کے ایک عزیز دوست تھے جنھیں ہم چچا کہتے تھے۔ والد کی عدم موجودگی میں وہ مجھے داخل کرانے گئے۔ میرے لیے اُسی اسکول کا انتخاب کیا گیا جس میں میرے خالہ زاد بھائی رفیق پڑھتے تھے۔ نام لکھاتے وقت چچا نے مجھ سے پوچھا تو میں نے سارے نام بتا دیے۔ وہ سخت پریشان ہوئے کہ اب فیصلہ کس طرح کیا جائے۔ اُنھوں نے رفیق کی طرف دیکھا تو اُس نے کہا: ہمارے گھر میں تو اِسے "شفیق" ہی کہتے ہیں۔ چچا نے چند لمحوں کے لیے توقف کیا اور پھر یہی نام اسکول کے رجسٹر میں درج کرا دیا۔

میں جب شعور کی عمر کو پہنچا تو مجھے والدہ کا رکھا ہوا نام زیادہ پسند آیا، لیکن اب اسکول کے رجسٹر کا کیا کیا جائے؟ اپنے ایک استاد محمد صادق صاحب سے بات کی تو اُنھوں نے فرمایا: اِس مرحلے پر نام تبدیل کرنا تو مشکل ہوگا۔ تمھیں شعر کہنے کا شوق ہے۔ میری تجویز یہ ہے کہ جاوید تخلص کر لو۔ میں تمھارا نام "شفیق احمد جاوید" لکھ دیتا ہوں۔ تمھیں "شفیق" پسند نہیں تو اپنا قلمی نام "جاوید احمد" بھی رکھ سکتے ہو۔ مجھے یہ تجویز پسند آئی۔ دوست احباب پہلے ہی "جاوید" کے نام سے پکارتے تھے۔ چنانچہ کالج کے زمانے سے اِسی نام کی شہرت ہو گئی۔ بعد میں شناختی کارڈ اور پاسپورٹ وغیرہ بنانے کا موقع آیا تو سب جگہ یہی نام لکھا گیا۔

میں غالباً نویں جماعت میں تھا کہ اپنے ایک پھوپھی زاد بھائی کی شادی میں

نسبتوں کے حوالے سے جناب کے ذہن میں "داؤدی، جنیدی، نوری اور مصلحی کی نسبتیں ذہن میں آتی رہیں۔

(ملاحظہ فرمائیں مقامات طبع سوم جولائی 2014 صفحہ 17، 18)

3

شرکت کے لیے لاہور آیا۔ یہاں مجھے پہلی مرتبہ دس پندرہ دن تک بڑے چچا محمد لطیف خان صاحب کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔ اُنھیں اپنے والد اور میرے دادا نور الٰہی صاحب سے عشق کی حد تک محبت تھی۔ رات دن وہ مجھے اُن کے قصے سناتے اور بتاتے تھے کہ گاؤں میں تمھارے دادا ایک مصلح کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔ اُن کی نیکی، خدا ترسی اور دانائی کی وجہ سے لوگ اپنے جھگڑے چکانے کے لیے اُن کی طرف رجوع کرتے اور اُن کا ہر فیصلہ مان لیتے تھے۔ اُن کی باتوں نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ یہ تاثر اتنا شدید تھا کہ میں ہر وقت دادا کے بارے میں سوچتا، یہاں تک کہ کئی دن تک سوتا تو خواب میں بھی اُنھی کو دیکھتا تھا۔

اِس موقع پر خاندان کے ایک دوسرے بزرگ اور بچوں کے لیے دینی کتابوں کے مصنف مقبول انور صاحب داؤدی سے ملاقات ہوئی۔ اُن کی یہ نسبت ہمارے گاؤں "داؤد" کی وجہ سے تھی۔ میرے والد کا پورا نام بھی اگرچہ محمد طفیل جنیدی تھا، لیکن بعض اوقات کوئی چیز اچانک متوجہ کر لیتی ہے۔ داؤدی صاحب سے ملنے کے بعد پہلی مرتبہ مجھے خیال ہوا کہ میرے نام کے ساتھ بھی اِس طرح کا کوئی اضافہ ہونا چاہیے۔ لڑکپن میں ایسی خواہشیں بعض اوقات آدمی کے ذہن پر سوار ہو جاتی ہیں۔ میں بھی دن رات یہی سوچتا۔ ایک دن والد صاحب سے اِس موضوع پر بات ہوئی تو اُنھوں نے مقبول صاحب کی اتباع میں "داؤدی" کا اضافہ کر لینے کی تجویز دی۔ پھر فرمایا: ہمارے شیخ سے بیعت کر لیتے تو "جنیدی" بھی ہو سکتے تھے۔ اِدھر میری

خواہش تھی کہ یہ نسبت دادا سے ہو۔ چچا سے جو کچھ سن چکا تھا، اُس کی بنا پر اب میرے لیے وہی آئیڈیل تھے۔ میں اُن سے نسبت کے لیے سوچتا تو "نوری" اور "مصلحی" کے الفاظ ذہن میں آتے تھے، لیکن ذوق اُنھیں قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا تھا۔ اِسی حیص بیص میں تھا کہ دو بزرگ ہمارے ہاں مہمان ہوئے۔ والد کا معمول تھا کہ بارہا مہینوں کے لیے سیلانی فقیروں، اطبا اور سنیاسیوں کو اپنے ہاں مہمان ٹھیرا لیتے تھے۔ یہ لوگ بھی اِسی طرح آئے۔ اِن میں سے ایک والد کے پیر بھائی غلام رسول وحشی اور دوسرے کوئی عالم اور سنیاسی تھے جن کا نام عبد اللہ تھا۔ وحشی بہت اچھے کاتب تھے۔ اُنھوں نے اپنے شیخ کی کتاب "لیلیٰ مجنوں" اپنے ہاتھ سے لکھی تھی۔ وہ اِسے سناتے اور اِس کی شرح و وضاحت میں تصوف کے اسرار و رموز بیان کرتے تھے۔ عبد اللہ صاحب کی دل چسپی عرب جاہلی کی تاریخ سے تھی۔ وہ اِس کے واقعات والد کو سناتے تھے۔ میں اِن بزرگوں کی مجلس میں گھنٹوں بیٹھتا اور بڑی دل چسپی کے ساتھ اُن کی باتیں سنتا تھا۔ عبد اللہ صاحب نے اِنھی مجلسوں میں کوئی قصہ سناتے ہوئے بیان کیا کہ بنو غامد کے ابوالآبا نے صدیوں پہلے کسی معاملے پر پردہ ڈالا اور اِس طرح اصلاح احوال کی کوشش کی تھی۔ چنانچہ اِسی بنا پر اُنھیں "غامد" کا لقب دیا گیا اور 'غمد الأمر' کے الفاظ اِس کے بعد عربی زبان میں 'أصلح الأمر' کے معنی میں استعمال ہونے لگے۔ اُنھوں نے بتایا کہ یہ قبیلہ جزیرہ نمائے عرب میں اِسی نسبت سے غامدی کہلاتا ہے*۔ مجھے فوراً خیال ہوا کہ یہی کام تو میرے دادا کرتے

اسی دوران انہوں نے زمانہ جاہلیت کے ایک شخص کی کہانی سنی۔ جس میں دو گروہوں کے درمیان اختلاف کے معاملے پر پردہ ڈال کر ایک شخص نے اصلاح کی کوشش کی۔ تو اس اصلاح کروانے والے شخص کو "غامد" کا لقب دیا گیا جس کے بعد اس شخص کی اولاد اسی نسبت سے "غامدی" کہلائی۔

(ملاحظہ فرمائیں مقامات طبع سوم جولائی 2014 صفحہ 18)

ذوق و شوق

خواہش تھی کہ یہ نسبت دادا سے ہو۔ چچا سے جو کچھ سن چکا تھا، اُس کی بنا پر اب میرے لیے وہی آئیڈیل تھے۔ میں اُن سے نسبت کے لیے سوچتا تو ''نوری'' اور ''مصلحی'' کے الفاظ ذہن میں آتے تھے، لیکن ذوق اُنھیں قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا تھا۔ اِسی حیص بیص میں تھا کہ دو بزرگ ہمارے ہاں مہمان ہوئے۔ والد کا معمول تھا کہ بارہا مہینوں کے لیے سیلانی فقیروں، اطبا اور سنیاسیوں کو اپنے ہاں مہمان ٹھیرا لیتے تھے۔ یہ لوگ بھی اِسی طرح آئے۔ ان میں سے ایک والد کے پیر بھائی غلام رسول وحشی اور دوسرے کوئی عالم اور سنیاسی تھے جن کا نام عبداللہ تھا۔ وحشی بہت اچھے کاتب تھے۔ اُنھوں نے اپنے شیخ کی کتاب ''لیلیٰ مجنوں'' اپنے ہاتھ سے لکھی تھی۔ وہ اِسے سناتے اور اِس کی شرح و وضاحت میں تصوف کے اسرار و رموز بیان کرتے تھے۔ عبداللہ صاحب کی دل چسپی عرب جاہلی کی تاریخ سے تھی۔ وہ اِس کے واقعات والد کو سناتے تھے۔ میں اِن بزرگوں کی مجلس میں گھنٹوں بیٹھتا اور بڑی دل چسپی کے ساتھ اُن کی باتیں سنتا تھا۔ عبداللہ صاحب نے اِنھی مجلسوں میں کوئی قصہ سناتے ہوئے بیان کیا کہ بنو غامد کے ابوالآبا نے صدیوں پہلے کسی معاملے پر پردہ ڈالا اور اِس طرح اصلاح احوال کی کوشش کی تھی۔ چنانچہ اسی بنا پر اُنھیں ''غامد'' کا لقب دیا گیا اور 'غمد الأمر' کے الفاظ اِس کے بعد عربی زبان میں 'أصلح الأمر' کے معنی میں استعمال ہونے لگے۔ اُنھوں نے بتایا کہ یہ قبیلہ جزیرہ نمائے عرب میں اِسی نسبت سے غامدی کہلاتا ہے*۔ مجھے فوراً خیال ہوا کہ یہی کام تو میرے دادا کرتے

مقامات ۱۸

اس واقعہ کی بنا پر کا کو شاہ، شفیق، کا کا محمد، شفیق احمد جاوید، جاوید احمد، داؤدی، جنیدی، نوری اور مصلح جیسی نام اور نسبتیں رکھنے والے شخص نے غامدی بننے کا فیصلہ کر لیا۔

(ملاحظہ فرمائیں مقامات طبع سوم جولائی 2014 صفحہ 19)

ذوق و شوق

تھے۔ اِس کے لیے یہ نئی تعبیر علم میں آئی تو بے حد مسرت ہوئی۔ والد سے ذکر ہوا تو اُنھوں نے بھی پسند کیا۔ میں ضلع ساہیوال کے جس دیہاتی ماحول میں رہتا تھا، وہاں اِس طرح کا نام مذاق بن جاتا۔ اِس لیے میں نے اِسے لکھنا تو بہت بعد میں شروع کیا، لیکن اُسی دن فیصلہ کر لیا کہ یہ لفظ اب میرے نام کا حصہ بن جائے گا۔

بچپن، لڑکپن اور اوائل شباب کی خوشیاں بھی عجیب ہوتی ہیں۔ بعد میں سوچتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ کس چیز نے علم و عمل اور فکر و خیال میں کیا اہمیت حاصل کر لی تھی۔ دادا کے ساتھ نسبت کے لیے یہ لفظ مل جانے سے جو خوشی مجھے اُس وقت ہوئی، اُسے میں آج بھی لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔ وقت کس طرح بدلتا ہے، اب بڑی سے بڑی بات بھی دل و دماغ میں اِس طرح کا کوئی اہتزاز پیدا نہیں کرتی۔ ایسی سب چیزیں عمر کے ساتھ کس قدر بے معنی ہو جاتی ہیں:

ہر روز ایک تازہ جہاں کی حکایتیں
اب رہ گئی ہیں قصۂ عہد شباب میں

[۲۰۰۷ء]

* اِس کے بعد لغت کی کتابیں دیکھیں تو اِس کی تصدیق ہوئی۔ چنانچہ ''اقرب الموارد'' میں ہے:
(غامدة) أبو قبيلة ينسب إليها الغامديون، وقيل: هو غامد واسمه عمرو ولقب به لإصلاحه أمرًا كان بين قومه۔

مقامات ۱۹

قارئین کرام! اب ہم آپ کے سامنے تاریخ کی روشنی میں لفظ "غامد" اور "غامدی" کا تاریخی پس منظر پیش کریں گے۔ اس کے بعد کاکوشاہ صاحب کے غامدی بننے کا علمی موازنہ پیں کریں گے۔

غامداور غامدی کی تاریخ کے حوالے سے ملاحظہ فرمائیں۔

☆ (کتاب اللباب فی تہذیب الانساب)

☆ (کتاب الانساب للسمعانی)

☆ (کتاب طبقات الکبری ابن سعد)

نوٹ: ان سب کی تحقیق آپ وکی پیڈیا پر مکمل دیکھ سکتے ہیں اور اس پر آپ کو تمام کتب تاریخ کے حوالہ جات بھی مل جائیں گے یہاں پر اختصار کی وجہ سے ان تمام کو بیان نہیں کیا گیا البتہ ساتھ وکی پیڈیا کا سکین ضرور لگایا گیا ہے۔

(ملاحظہ فرمائیں سکین نمبر 7)

ویکیپیڈیا

غامد

آزاد دائرۃ المعارف، ویکیپیڈیا سے

سانچہ:معلومات قبیلہ **غامد** ازد قبائل میں سے ایک ہے، خاص طور پر ازد شنوا سے۔ ان کے گھر سعودی عرب کے جنوب مغرب میں الباحہ کے علاقے میں واقع ہیں، اور وہ زاتیہ ، بیشا ، تربہ اور وادی الدواسیر کی وادیوں میں بھی پھیلے ہوئے ہیں۔[1]

فہرست

- غامد قبیلہ نسب
- جادو کی بنیادی شاخیں
- نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غامد وفد
- ہم عصر غامد قبیلہ
- دیار غامد
- زمانہ جاہلیت میں تاریخ
- پچھلی صدیوں میں تاریخ
- آخری صدیوں میں تاریخ
- غامد کے جھنڈوں سے
- غامد کے بارے میں کتابیں۔
- مذید دیکھیے
- حوالہ جات
- نوٹس

غامد قبیلہ نسب

- غامد قبیلہ ان کے پردادا غامد سے تعلق رکھتا ہے **جو کہ عمرو بن کعب ہیں** - اور عمرو بن عبداللہ بن کعب بن الحارث بن کعب بن عبداللہ بن مالک بن نصر کہا جاتا ہے **اور وہ** شنوہ **بن العزد ہیں۔**[2][3][4]

ابن کلبی نے کہا: "اسے غدامہ کہا جاتا ہے کیونکہ اس نے اس کے اور اس کے قبیلے کے درمیان ایک معاملہ چھپا دیا تھا، جسے اس نے چھپا رکھا تھا۔ کیونکہ غامد عقیل 150-300 عیسوی کے ظہور کے دور سے زیادہ پرانے دور کے لوے ہم عصر ہیں۔[5][6]

> أستنكر أبو حاتم السجستاني والأصمعي قول الكلبي فقالا: ليس إشتقاق غامد من هذا -اي قول ابن الكلبي- بل من قولهم غمدت البئر غمدًا إذا كثر ماؤها.[7]

> وقال القسملي:"وغامد هي الجمرة البينة من جمرات العرب، وهم الذين لم يغشهم أحد من العرب في خيارهم."[8]

حوالہ جات

نوٹس

1. فؤاد حمزة (2002). قلب جزيرة العرب. مكتبة الثقافة الدينية. صفحہ 186.
2. "ص96 - كتاب عجالة المبتدي وفضالة المنتهي في النسب - حرف الغين - المكتبة الشاملة الحديثة" (https://shamela.ws/book/34199/95). اخذ شدہ بتاریخ 31 مارچ 2021.
3. "ص373 - كتاب اللباب في تهذيب الأنساب - باب الغين المعجمة والألف - المكتبة الشاملة الحديثة" (https://shamela.ws/book/5793/893). اخذ شدہ بتاریخ 31 مارچ 2021.
4. "ص278 - كتاب الأنساب للسمعاني - الوائلي - المكتبة الشاملة الحديثة" (https://shamela.ws/book/12317/5308). اخذ شدہ بتاریخ 31 مارچ 2021.
5. "الغزاة و زمن الأقيال" (http://althawrah.ye/archives/548659). 2018-11-19. اخذ شدہ بتاریخ 09 مئی 2020.
6. "الغزاة و زمن الأقيال" (https://web.archive.org/web/20200509190638/http://althawrah.ye/archives/548659). الثورة نت (بزبان عربی). 2018-11-19. 09 مئی 2020 میں اصل (http://althawrah.ye/archives/548659) سے آرکائیو شدہ. اخذ شدہ بتاریخ 09 مئی 2020.
7. جمهرة اللغة 1-3 مع الفهارس ج1 - ص798
8. الأنساب للصحاري الجزء1/صفحہ224
9. "غامد فروعها و تاريخها و انسابها - ::::: النسابون العرب :::::" (http://www.alnssabon.com/t7040.html). اخذ شدہ بتاریخ 04 اپریل 2018.
10. "الأنساب للصحاري • الموقع الرسمي للمكتبة الشاملة" (https://shamela.ws/browse.php/book-491/page-224). اخذ شدہ بتاریخ 04 اپریل 2018.
11. "الموسوعة الشاملة - جمهرة أنساب العرب ابن حزم" (http://islamport.com/w/nsb/Web/480/156.htm). اخذ شدہ بتاریخ 04 اپریل 2018.

زمانہ جاہلیت میں یمن کے ایک شخص عَمر بن عبداللہ نے حمیر قبیلے میں کسی جھگڑے کے معاملات کو چھپا کر انہیں بڑے فساد سے بچالیا۔ قبیلے کے سربراہ نے اس شخص کے اس کارنامہ پر اس کو "غامد" کا لقب دیا جس کی وجہ سے اس شخص کی اولاد اور اس کا سارا قبیلہ "غامدی" کہلایا۔ جبکہ پاکستان کے جناب "جاوید احمد غامدی صاحب" نا ہی اس قبیلے کے ہیں اور نا ہی یہ غامدیا غامدی کا لقب انہیں کسی بھی سربراہ نے انہیں دیا بلکہ موصوف نے یہ لفظ خود ہی کسی کے لیے وضع کیا اور خود ہی اسکی نسبت اپنی طرف کر کے خود کو "غامدی" کہلوانے لگ گئے۔ اس قبیلہ کا وفد بھی آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔

یمن کے اس شخص "غامد" کی ساری اولاد غامدی کہلائی اور پھر اس طرح غامدی قبیلہ متعارف ہوا۔ جبکہ "جاوید احمد غامدی صاحب" نے اپنے خاندان کیکسی شخص کو "غامد" کہ کر اپنے آپ کو اس کی طرف منسوب کیا اور اپنی نسبت "غامدی" بنائی۔
تو اب سوال یہ ہے کہ کیا "اس شخص کی اولاد اور خود جاوید احمد غامدی صاحب کے باقی خاندان نے بھی خود کو غامدی کہلوایا؟ اور یہ غامدی نسبت اپنائی؟؟؟

اگر ایسا نہیں ہوا تو پھر جاوید احمد غامدی صاحب کا یمن کے اس قبیلہ پر قیاس کر کے خود کو غامدی کہنا کیسے درست ہوسکتا ہے؟
اس شخص غامدی کی اولاد اور اس کے قبیلہ کی آبادی قریباً 70 لاکھ کے قریب ہے جبکہ پاکستان کے غامدی صاحب اکیلے ہی شخص ہیں جو غامدی کہلائے جاتے ہیں۔

یہ لفظ "غامدی" اگر اپنے معنوی مفہوم کے اعتبار سے درست تھا تو پھر "جاوید احمد غامدی صاحب" کو اس لفظ کو اپنے ہی علاقے میں متعارف کروانے میں ہچکچاہٹ کیوں محسوس ہوئی؟ اور اس ماحول سے نکل کر جناب نے لاہور میں آ کر اس نسبت کا اظہار کیا اور پھر غامدی نسبت استعمال کی۔ آخر اس نسبت کو اپنے علاقے میں چھپانا اور وہاں سے باہر جا کر اسے متعارف کروانا یہ سب کس وجہ سے تھا؟

غامدی صاحب اپنی کتاب مقامات کے صفحہ 19 پر لفظ غامدی کی بابت لکھتے ہیں کہ۔۔۔۔"ضلع ساہیوال کے جس دیہاتی ماحول میں رہتا تھا وہاں اس طرح کا نام مذاق بن جاتا لہٰذا میں نے اسے لکھنا بہت بعد میں شروع کیا۔

(ملاحظہ فرمائیں مقامات طبع سوم 2014 صفحہ 19)

ذوق و شوق

تھے۔ اِس کے لیے یہ نئی تعبیر علم میں آئی تو بے حد مسرت ہوئی۔ والد سے ذکر ہوا تو اُنھوں نے بھی پسند کیا۔ میں ضلع ساہیوال کے جس دیہاتی ماحول میں رہتا تھا، وہاں اِس طرح کا نام مذاق بن جاتا۔ اِس لیے میں نے اِسے لکھنا تو بہت بعد میں شروع کیا، لیکن اُسی دن فیصلہ کر لیا کہ یہ لفظ اب میرے نام کا حصہ بن جائے گا۔

بچپن، لڑکپن اور اوائل شباب کی خوشیاں بھی عجیب ہوتی ہیں۔ بعد میں سوچتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ کس چیز نے علم و عمل اور فکر و خیال میں کیا اہمیت حاصل کر لی تھی۔ دادا کے ساتھ نسبت کے لیے یہ لفظ مل جانے سے جو خوشی مجھے اُس وقت ہوئی، اُسے میں آج بھی لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔ وقت کس طرح بدلتا ہے، اب بڑی سے بڑی بات بھی دل و دماغ میں اِس طرح کا کوئی اہتزاز پیدا نہیں کرتی۔ ایسی سب چیزیں عمر کے ساتھ کس قدر بے معنی ہو جاتی ہیں:

ہر روز ایک تازہ جہاں کی حکایتیں
اب رہ گئی ہیں قصۂ عہد شباب میں

[۲۰۰۷ء]

* اِس کے بعد لغت کی کتابیں دیکھیں تو اِس کی تصدیق ہوئی۔ چنانچہ ''اقرب الموارد'' میں ہے:
(غامدة) أبو قبيلة ينسب إليها الغامديون، وقيل: هو غامد واسمه عمرو ولقب به لإصلاحه أمرًا كان بين قومه۔

مقامات ۱۹

اب غامدی صاحب اوران کے سٹوڈنٹس سے ہمارے چند سوالات ہیں کہ۔۔۔

1: کیا اسلام میں صرف معنوی مفہوم کی بنا پر اس طرح اپنا نسب بدل لینا جائز ہے؟ جیسے غامدی صاحب نے بدلا ہے۔

2: آرائیں، راجپوت، اعوان وغیرہ برادی کے طور پر مختلف قبائل کے لیے ہمارے معاشرے میں متعارف ہیں۔تو اگر اب کوئی ککے زائی برادری کا شخص صرف معنوی مفہوم کی بنا پر اپنے آپ کو آرائیں یا راجپوت کہنے لگ جائے تو ہمارے ملک و معاشرے کے قبائلی تعارف کے اعتبار سے کیا ایسا کام درست ہوگا؟

4: جو شخص صرف اپنی پسند کی بنا پر اپنے نسب کے ساتھ ایسے کھیل سکتا ہے تو کیا دینی معاملات میں ایسے شخص کی رہنمائی لی جا سکتی ہے؟ کیونکہ اس سے اس کی ذہنی حالت واضح معلوم ہو جاتی ہے۔

5: کیا آپ کو یعنی غامدی صاحب کے سٹوڈنٹس کو بھی کبھی غامدی صاحب کی طرح اللہ تعالٰی کی طرف سے عطا کردہ خاندانی نسبت پر شرمندگی محسوس ہوئی ہے؟

6: اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں اپنے علاقے میں تو آرائیں تھا لیکن لاہور یا فلاں جگہ جا کر میں راجپوت بن گیا ہوں۔۔۔تو کیا اسکا ایسا کہنا درست ہوگا؟

جیو ٹی وی پر غامدی کی اسلام سے بغاوت

موضوع: حدود آرڈیننس اور قانونِ شہادت

افتخار احمد: سر'' حد '' کے کیا معنی ہیں؟

جاوید غامدی: حد ایک فقہی اصطلاح ہے۔ یہ درحقیقت ان سزاؤں کے لیے اختیار کر لی گئی تھی جو قرآن مجید میں بیان ہوئی ہیں یا سنت میں بیان ہوئی ہیں۔ یہ کوئی قرآن مجید کی اصطلاح نہیں ہے یہ کوئی سنت کی بھی اصطلاح نہیں ہے۔

(جاوید غامدی کے بقول حد فقہاء کی اصطلاح ہے اور قرآن وسنت اس سے خالی ہے جبکہ..... صحیح بخاری کی رقم الحدیث 2234 اور صحیح مسلم کی رقم الحدیث 4063 میں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے "حد" کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔اس کے علاوہ صحیح بخاری وصحیح مسلم میں قریباً 20 احادیث مبارکہ میں یہ لفظ موجود ہے۔

اب جاوید غامدی نے "حد" کو فقہی اصطلاح کہہ کر خیانت سے کام لیا ہے یا پھر یہ ان کی احادیث مبارکہ کے علوم سے ناواقفیت کی بنا پر ہے اور اگر واقعی میں ایسا ہے تو پھر غامدی کی معلومات انتہائی سطحی درجہ کی ہے۔ناقل)

افتخار احمد: زنا بالرضا کی سزا آپ کے نزدیک اس آرڈیننس میں جو طے کی گئی ہے کیا وہ خلاف شریعہ ہے؟

جاوید غامدی: میں اس کو صحیح نہیں سمجھتا۔شریعت کیا چیز ہے؟ شریعت وہی ہے جو ہم سمجھیں گے۔

(جاوید غامدی کے نزدیک شاید شریعت کوئی ریاضی کا سوال ہے کہ جسے جیسے سمجھ لگے وہ حل کر دے۔ جناب شریعت وہی ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام اور پھر ان صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس امت کو سمجھائی ہے........ ناکہ وہ جو ہمیں یا آپ کو سمجھ لگ گئی تو وہی شریعت بن گئی۔ناقل)

افتخار احمد: آپ کو اس کے بعد اور کونسا اعتراض ہے؟

جاوید غامدی: تیسرا اعتراض یہ ہے کہ یہ آرڈیننس گواہوں کے معاملے میں جنسی تفریق کو بھی بیان کرتا ہے اور یہ مذہبی تفریق کو بھی بیان کرتا ہے۔ یہ یہ کہتا ہے کہ گواہ کو مسلمان ہونا چاہیے اور گواہ کو مرد ہونا چاہیے۔ یہ اسلام کے یہ تہمت ہے۔ اللہ کے دین میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔قرآن مجید اس سے خالی ہے سنت اس سے خالی ہے۔

(جاوید غامدی کا کہنا کہ گواہ کے مسلمان ہونے اور اس کے مرد ہونے کے متعلق کہا کہ قرآن اس سے خالی ہے۔جبکہ غامدی کی یہ بات سفید جھوٹ ہے۔قرآن مجید کا اس حوالے سے کیا حکم ہے ملاحظہ فرمائیں۔

1 سورۃ البقرۃ آیت 282 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں"........ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ" ترجمہ:"اور اپنوں میں سے دو مردوں کو گواہ بنا لیا کرو"۔

اس آیت مبارکہ کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے "اے ایمان والو!" فرمایا ہے اور درج بالا اسی آیت مبارکہ کا حصہ ہے۔یعنی کہ گواہ صرف اہل ایمان میں سے بنائے جانے کا حکم ہے۔

2 سورۃ النساءآیت 14 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "........فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنكُمْ "ترجمہ:"اپنے میں سے چار گواہ بنالو"

اس آیت مبارکہ میں بھی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو صرف اپنوں میں سے گواہ بنانے کا حکم فرمارہے ہیں۔

غامدی صاحب آپ جس کو یہ مذہبی تفریق کا کہہ رہے ہیں تو یہ مذہبی تفریق کسی مولوی نے نہیں بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے جسے آپ ختم کرنے پر ہوئے ہیں۔

غامدی کے بقول تو قرآن اس سے خالی ہے جبکہ اوپر اس حوالے سے دو آیات مبارکہ پیش کی جاچکی ہیں فیصلہ آپ خود کرسکتے ہیں۔ناقل)

افتخار احمد: 1400 سال میں جب سے آرہا ہے تزکیہ الشہود میں جو گواہ کی شرائط ہیں وہ کیا ہیں؟

جاوید غامدی: دیکھیے بات یہ ہے کہ 1400 سال میں مختلف آراءفقہاء بیان کرتے رہے ہیں۔

افتخار احمد: (بات کاٹتے ہوئے۔ناقل)..... کوئی ایسی کوئی ایسی بات مجھے بتادیں جہاں پر یہ کہا گیا ہو کہ غیر مسلم جو ہے وہ تزکیہ الشہود کے دائرے میں آتا ہے۔

جاوید غامدی: میں تھوڑی دیر کے لیے مان لیتا ہوں کہ نہیں کہا کسی نے۔

افتخار احمد: نہیں آپ مانے نہیں آپ مجھے بتائیں۔

جاوید غامدی: میں میں عرض کرتا ہوں، میں یہ عرض کرتا ہوں کہ اگر نہیں کہا تو میں کہتا ہوں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر خدا نے کہا ہے تو سر تسلیم خم، اگر خدا کے پیغمبر نے کہا ہے تو سر تسلیم خم۔باقی لوگوں نے اگر ایک بات کہی ہے تو ہم اسکا جائزہ لیں گے انسانی بنیادوں پر۔

(جاوید غامدی کا کہنا ہے کہ اگر ایسا کسی نے نہیں کہا تو میں کہتا ہوں۔

سوال یہ ہے کہ غامدی کی پوزیشن کیا ہے آخر؟ کہ وہ تمام امت کے اجماع کے مقابلے میں اپنی رائے کو رکھ رہے ہیں۔غامدی صاحب کے پاس تو کوئی سند تک نہیں ہے کہ وہ اپنا موازنہ کسی سلف صالحین سے کرسکیں۔ناقل)

افتخار احمد: جب امت کا اجماع ہے کہ حد کے معاملے میں عورت گواہی نہیں دے سکتی تو آپ کو اس اجماع کی مخالفت کیوں مناسب قرار دیتی ہے؟

جاوید غامدی: اجازت دیجیے مجھے بات کرنے کی۔دیکھیے ایک اجماع وہ ہے جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے کسی چیز کو روایت کرتا ہے وہ میرے نزدیک حجت ہے۔ایک اجماع فہم کا اجماع ہے۔ایک زمانے میں لوگوں نے ایک بات پر اتفاق کرلیا۔اب ہم محسوس کرتے ہیں کہ یہ چیز ٹھیک نہیں ہے تو ہم اس کو ختم کردیں گے۔

(ہم بڑے ادب سے غامدی سے عرض کرتے ہیں کہ اجماع کی بابت جو آپ نے دو اقسام بنائی اور بتائی ہیں ان پر قرآن وسنت سے آپ کے پاس کیا دلیل ہے؟ ضرور بتایئے گا۔

غامدی نے جو اجماع کی دو اقسام بیان کی ہیں... ان میں سے ایک کو ماننا اور دوسری کو نہ ماننا... اس پر قرآن وسنت سے دلیل دی جائے۔
یاد رکھیے غامدی صاحب! صرف یہ کہہ دینے سے کام نہیں چلے گا کہ "میرے نزدیک یہ ایسے ہے اور میرے نزدیک یہ ویسے ہے۔ناقل)
افتخار احمد: آپ یہ کہنا چاہ رہے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانے میں عورت کی گواہی تسلیم نہیں کی جاتی تھی تو آج ہمیں عورت کی گواہی کو تسلیم کر لینا چاہیے۔
جاوید غامدی: جی بلکل کیوں نہیں کرنا چاہیے۔
استغفراللہ۔ یہاں پر تو غامدی نے ساری حدیں پار کرتے ہوئے خود کو عہد رسالت کے مقابلے پر لا کر کھڑا کر دیا۔
اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان فتنوں سے محفوظ رکھے اور ایمان پر خاتمہ نصیب فرمائے آمین ثم آمین۔

غامدی اخلاق کی حقیقت

قارئین کرام! ویسے تو غامدی میڈیا پر لوگوں کے سامنے اخلاقی طور پر ادب کیساتھ بہت لچھے دار انداز میں گفتگو کرتا ہے لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ قلم وقرطاس کی دنیا میں غامدی صحابہ کرام، تابعین وتبع تابعین یہاں تک انبیاء کرام کی ذات مبارکہ کو بھی اس انداز میں پیش کرتا ہے کہ گویا وہ سب غامدی کے چھوٹے بھائی ہوں۔ ویسے تو انسان اخلاقی طور پر اپنے چھوٹوں کا ادب بھی ملحوظ خاطر رکھتا ہے لیکن غامدی کے ہاں اس لحاظ سے اخلاقیات کا دور دور تک کوئی تعلق نہیں ہے۔

غامدی اپنے سامعین کے سامنے تو ادبی لیکچر دے دیتا ہے لیکن قارئین کے سامنے اس چیز کا ذرا خیال نہیں کرتا۔ جیسا کہ غامدی نے اپنی تفسیر البیان میں حضرت زکریا علیہ سلام کی بابت انہیں صرف "زکریا" لکھا۔ جبکہ انبیاء کرام کے نام کیساتھ ہمیشہ "حضرت" اور "علیہ سلام" لکھا جاتا ہے لیکن شاید یہ محبت محبت کی بات ہے کہ جس کے دل میں جس کے لیے جتنی محبت ہوگی وہ ویسے ہی اسکے ساتھ پیش آئے گا۔

حضرت زکریا علیہ سلام کو اللہ تعالیٰ نے جب خوشخبری دی کہ ان کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا تو انہوں نے نشانی کی درخواست کی تاکہ جلد خوشی حاصل ہو اور پہلے سے شکر میں مشغول ہوں لیکن غامدی نشانی طلب کرنے وجہ یہ لکھتا ہے۔

"زکریا کا گمان اگرچہ یہی تھا کہ یہ بشارت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے لیکن دل کے کسی گوشے میں یہ کھٹک ضرور تھی کہ ممکن ہے یہ اپنے ہی گنبدِ دل کی صدا اور اپنی ہی آرزؤوں کے ہجوم میں شیطان کا کوئی القاء ہو جسے وہ فرشتوں کا الہام سمجھ بیٹھے۔"

(ملاحظہ فرمائیں غامدی کی تفسیر البیان جلد 1 صفہ 348) (نیز ملاحظہ فرمائیں پوسٹ کا سکین نمبر 1)

یَکُوۡنُ لِیۡ غُلٰمٌ وَّ قَدۡ بَلَغَنِیَ الۡکِبَرُ وَ امۡرَاَتِیۡ عَاقِرٌ ؕ قَالَ کَذٰلِکَ اللّٰہُ یَفۡعَلُ مَا یَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجۡعَلۡ لِّیۡۤ اٰیَۃً ؕ قَالَ اٰیَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمۡزًا ؕ وَ اذۡکُرۡ رَّبَّکَ کَثِیۡرًا وَّ سَبِّحۡ بِالۡعَشِیِّ وَ الۡاِبۡکَارِ ﴿۴۱﴾

ہاں لڑکا کہاں سے ہوگا، میں تو بوڑھا ہو چکا اور میری بیوی بھی بانجھ ہے؟ فرمایا: اللہ[829] اسی طرح جو چاہے، کرتا ہے۔[830] اس نے عرض کیا: پروردگار، پھر میرے لیے کوئی نشانی ٹھیرا دیں۔[831] فرمایا: تمھارے لیے نشانی یہ ہے کہ تین دن تک تم لوگوں سے اشارے کے سوا کوئی بات نہ کر سکو گے۔ (ہاں، تسبیح و تہلیل، البتہ کر سکو گے، لہٰذا یہ دن اسی طرح گزارنا) اور (اس دوران میں) اپنے پروردگار کو بہت یاد کرنا اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہنا۔[832] ۳۸-۴۱

آل عمران ۳

۸۲۸ یعنی ان اوصاف و کمالات کے ساتھ وہ زمرۂ صالحین میں سے ایک پیغمبر بھی ہوگا جسے اللہ تعالیٰ لوگوں کی رہنمائی کے لیے مبعوث فرمائے گا۔

۸۲۹ یہ لفظ واحد اس لیے آیا ہے کہ کوئی متعین فرشتہ یا فرشتوں کی جماعت حضرت زکریا کے سامنے نہیں آئی، بلکہ ایک غیبی آواز تھی جو انھیں سنائی دی۔

۸۳۰ یعنی اسباب تو محض ظاہر کا پردہ ہیں۔ اصلی چیز اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے۔ وہ چاہے تو دریا کو سراب بنا دے اور چاہے تو صحرا سے حباب اٹھا دے۔ اس کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔

۸۳۱ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زکریا کا گمان تو اگرچہ یہی تھا کہ یہ بشارت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، لیکن دل کے کسی گوشے میں یہ کھٹک ضرور تھی کہ ممکن ہے یہ اپنے ہی گنبد دل کی صدا اور اپنی ہی آرزوؤں کے ہجوم میں شیطان کا کوئی القا ہو جسے وہ فرشتوں کا الہام سمجھ بیٹھے ہیں۔

۳۴۸

قارئین کرام! اب آپ اس میں واضح پڑھ سکتے ہیں کہ غامدی حضرت زکریا علیہ سلام کو صرف "زکریا" ایسے لکھ رہا ہے جیسے وہ ان کے کوئی چھوٹے بھائی ہوں۔ کیا یہ اخلاقی طور پر درست ہے؟ فیصلہ آپ کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم غامدی کی اس عبارت کا رد بھی یہاں پر کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ فرشتوں کی ہی نداء تھی نا کہ کسی شیطان کی کیونکہ قرآن مجید یہ ارشاد فرمایا گیا ہے: فَنَادَتۡهُ ? لۡمَلَ ? ئِكَةُ (سورۃ آل عمران:39)۔

انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں اگر وہ فرشتوں کی آواز کو شیطان کی آواز سمجھنے لگیں تو پھر جیسے پہلی آواز کو شیطانی آواز سمجھ بیٹھے تھے ویسے ہی دوسری اور تیسری آواز کو بھی تو وہ ایسا ہی سمجھ سکتے ہیں۔ لہٰذا پھر فرشتوں کی آواز اور شیطانوں کی آواز میں وہ کب اور کیسے فرق کریں گے؟

دوسری بات یہ ہے کہ اگر حضرت زکریا علیہ سلام کو یہ خدشہ ہوتا کہ یہ کوئی شیطانی القاء ہے تو وہ نشانی طلب نہ کرتے بلکہ شیطان سے پناہ مانگتے۔ نشانی مانگنے کا مطلب ہی یہی تھا کہ ان کو یقین تھا کہ یہ خوشخبری من جانب اللہ ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ دِلوں کے حال کا علم تو صرف اللہ پاک کی ذات مبارکہ کے پاس ہے پھر غامدی نے کیسے حضرت زکریا علیہ سلام کے دل کے کسی گوشے کا حال معلوم کرلیا؟ یہ سب ہماری سمجھ سے باہر ہے۔

اب غامدی کی دوسری عبارت ملاحظہ فرمائیں جو اس نے حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھی ہے۔

"اس میں شبہ نہیں کہ ماعز کے متعلق یہ سب باتیں حدیث کی کتابوں میں بیان ہوئی ہیں، لیکن حق یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بات بھی ایسی نہیں ہے جس کی بنیاد پر اس کے کردار کی نفی کی جاسکے جو حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تقریر سے نمایاں ہوتا ہے۔ اعتراف جرم اور ندامت سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ یہ (حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ۔ ناقل) کوئی مرد صالح تھا جس سے یہ جرم اتفاقاً سرزد ہو گیا۔" **(ملاحظہ فرمائیں برہان طبع ہفتم دسمبر 2009 صفحہ 83)**

رجم کی سزا

میں بیان ہوئی ہیں، اِس وجہ سے یہ کسی طرح باور نہیں کیا جاسکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس تقریر کا مصداق فی الواقع یہی تھا اور اِس نے اگر زنا بالجبر کا ارتکاب بھی کیا تو یہی سمجھنا چاہیے کہ یہ کوئی بھولا بھالا شخص تھا جو جذبات سے مغلوب ہو کر یہ حرکت کر بیٹھا۔

اِس میں شبہ نہیں کہ ماعز کے بارے میں یہ سب باتیں حدیث کی کتابوں میں بیان ہوئی ہیں، لیکن حق یہ ہے کہ اِن میں سے کوئی بات بھی ایسی نہیں ہے جس کی بنیاد پر اُس کے اُس کردار کی نفی کی جاسکے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر سے نمایاں ہوتا ہے۔

اعتراف جرم اور ندامت سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ یہ کوئی مرد صالح تھا جس سے یہ جرم اتفاقاً سرزد ہو گیا۔ دنیا میں جرائم کی جو تاریخ اب تک رقم ہوئی ہے، اُس سے دسیوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں کہ بدترین اوباش اور انتہائی بدخصلت گنڈے جو کسی طرح گرفت میں نہیں آسکتے تھے، ارتکاب جرم کے فوراً بعد کسی وقت اِس طرح قانون کے سامنے خود پیش ہوئے کہ اُن کی ندامت پر لوگوں کے دلوں میں اُن کے لیے ہمدردی کے جذبات امنڈ آئے۔ نفسیات جرم کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس کے محرکات کئی ہو سکتے ہیں: مجرم اِس اندیشے میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ اب یہ جرم چھپا نہ رہے گا، اِس لیے وہ خود آگے بڑھ کر اِس خیال سے اپنے آپ کو قانون کے سامنے پیش کر دیتا ہے کہ اِس طرح شاید اُسے سخت سزا نہ دی جائے۔ جرم اِس طریقے سے سرزد ہوتا ہے کہ اُس کے افشا کو روکنا فی الواقع ممکن نہیں رہتا۔ چنانچہ وہ سبقت کر کے اپنے آپ کو لوگوں کے ردعمل کی شدت سے بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ جنسی ہیجان کے غلبہ میں معصوم عورتوں کا پیچھا کرنے والے جب پہلی مرتبہ زنا بالجبر کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں تو بعض اوقات اِس جرم کے نتیجے میں ہیجان کا ختم ہو جانا ہی اُنھیں اعتراف جرم پر آمادہ کر دیتا ہے۔ مجرم کے ماحول میں کسی غیر معمولی دینی شخصیت کا وجود بھی اِس کا باعث بن جاتا ہے۔ جرم کے حالات، مثلاً مجرم کی درندگی کا شکار ہونے والی عورت یا بچے کی بے بسی بھی یہ نتیجہ پیدا کر دیتی ہے۔ ضمیر کی خلش اور انسان کے اندر سے نفس لوامہ

۲۸ ابوداؤد، رقم ۴۴۲۸۔

برھان ۸۳

قارئین کرام! حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کی بابت کیے جانے والے اعتراض کا جواب ہم ان شاءاللہ آگے آپ کی خدمت میں پیش کریں گے لیکن یہاں پر آپ حضرات کو یہ بتلانا مقصود ہے کہ غامدی ایک صحابی رسول سے سرزد ہوئے گناہ کے واقعہ کو کس گھٹیا انداز میں پیش کرر ہا ہے اور پھر اتنی جسارت کے ساتھ لکھ رہا ہے کہ وہ کوئی مرد صالح نہیں تھا معاذ اللہ۔ پھر انکا نام بھی کتنی حقارت کیساتھ صرف "ماعز" لکھ رہا ہے جبکہ صحابہ کرام کے نام کیساتھ ہمیشہ "رضی اللہ عنہ" لکھا جاتا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے یہ حکم فرما دیا کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے متعلق کوئی غلط بات نہ کی جائے اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کی جائے تو پھر غامدی کون ہوتا ہے کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہے؟ کیا غامدی نے کبھی مرزا غلام قادیانی کی سیرت و کردار کے حوالے سے کبھی کوئی ایک بھی ایسا جملہ کہا؟ بلکہ اس کذاب اعظم کے لیے تو موصوف ہمیشہ اپنے منہ سے ''مرزا صاحب'' کے الفاظ نکالتے ہیں جبکہ ساری دنیا جانتی ہے کہ مرزا قادیانی نے کس قدر مسلمانوں کو گالیاں بکی ہیں اور دنیاوی معاملات میں بھی کتنی بڑی بڑی خیانتیں کی ہیں۔ جیسا کہ مرزا قادیانی کا بدنام زمانہ مشہور قصہ براہین احمدیہ کی تصنیف کے لیے لوگوں سے لوٹی گئی رقم کا ہے۔ لیکن غامدی کے نزدیک تو مرزا قادیانی ایک صوفی بزرگ ٹہرا اور ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم حضرت ماعز رضی اللہ عنہ معاذ اللہ گناہ گار ٹھہرے۔

پھر اسی طرح غامدی نے اپنی کتاب میزان میں بھی تابعین و تبع تابعین کا نام بھی اس انداز میں لکھا ہے کہ گویا ان سب کی جیسے کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ امام ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ کو صرف ابن سیرین لکھا ہے۔

ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمتہ اللہ علیہ کو صرف ابو عبدالرحمٰن السلمی لکھا ہے۔

(ملاحظہ فرمائیں میزان طبع پنجم دسمبر 2009 صفہ 28 اور 29) (نیز ملاحظہ فرمائیں پوسٹ کے سکین نمبر 3 اور 4)

اصول ومبادی

فيه ، و كان زيد قد شهد العرضة الاخيرة، و كان يقرئ الناس بها حتى مات. (البرہان، الزرکشی ۱/۳۳۱)	زید بن ثابتؓ[19] بھی موجود تھے۔ دنیا سے رخصت ہونے تک وہ لوگوں کو اسی کے مطابق قرآن پڑھاتے تھے۔''

چنانچہ صحابۂ کرام کے زمانے سے لے کر آج تک مسلمانوں کا قولی تواتر صرف اِسی قراءت کو حاصل ہے۔ ہمارے علما اِسے ''قراءت حفص'' کہتے ہیں، دراں حالیکہ یہ ''قراءت عامہ'' ہے اور سلف، جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے، اِس کا تعارف بالعموم اِسی مفہوم کے الفاظ سے کراتے تھے۔ ابن سیرین کی روایت ہے:

القراءة التي عرضت على النبي صلى الله عليه وسلم في العام الذي قبض فيه هي القراءة التي يقرؤها الناس اليوم. (الاتقان، السیوطی ۱/۱۸۴)	''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی وفات کے سال جس قراءت پر قرآن سنایا گیا، یہ وہی قراءت ہے جس کے مطابق لوگ اِس وقت بھی قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں۔''

قرآن مجید پر اگر اُس کے نظم کی روشنی میں تدبر کیا جائے تو اُس کے داخلی شواہد بھی پوری قطعیت کے ساتھ یہی فیصلہ سناتے ہیں۔ مدرسۂ فراہی کے اکابر اہل علم نے جو کام اِس زمانے میں قرآن پر کیا ہے، اِس سے یہ بات بالکل مبرہن ہو جاتی ہے کہ قرآن کا متن اِس کے علاوہ کسی دوسری قراءت کو قبول ہی نہیں کرتا۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی کی تفسیر ''تدبر قرآن'' میں کوئی شخص اگر چاہے تو اِس کی مثالیں جگہ جگہ دیکھ سکتا ہے۔ وہ خود لکھتے ہیں:

''قراءتوں کا اختلاف بھی اِس تفسیر میں دور کر دیا گیا ہے۔ معروف اور متواتر قراءت وہی ہے جس پر یہ مصحف ضبط ہوا ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ اِس قراءت میں قرآن کی ہر آیت اور ہر لفظ کی تاویل لغت عرب، نظم کلام اور شواہد قرآن کی روشنی میں اِس طرح ہو جاتی ہے کہ اِس میں کسی شک کا احتمال باقی نہیں رہ جاتا۔ چنانچہ میں نے ہر آیت کی تاویل اِسی قراءت کی بنیاد پر کی ہے اور میں پورے اعتماد کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ اِس کے سوا کسی دوسری قراءت پر قرآن کی تفسیر کرنا اِس کی بلاغت، معنویت اور حکمت کو مجروح کیے بغیر ممکن نہیں۔'' (تدبر قرآن ۸/۸)

یہاں ہوسکتا ہے کہ 'سبعة احرف' کی روایت بھی بعض لوگوں کے لیے الجھن کا باعث بنے۔ موطا میں یہ روایت اِس طرح بیان ہوئی ہے:

عن عبد الرحمن بن عبد القاری أنه قال : سمعت عمر بن الخطاب يقول : سمعت هشام بن حكيم بن حزام يقرأ سورة الفرقان	''عبد الرحمٰن بن عبد القاری کی روایت ہے کہ عمر بن الخطاب نے میرے سامنے فرمایا کہ ہشام بن حکیم بن حزام کو میں نے سورۂ فرقان اُس سے مختلف طریقے سے پڑھتے

[19] اِن کے علاوہ بعض دوسرے صحابہ بھی، یقیناً اِس موقع پر موجود رہے ہوں گے۔ چنانچہ سیدنا عبد اللہ بن عباس کی ایک روایت میں یہی بات حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو: المعجم الکبیر، الطبرانی، رقم ۱۲۶۰۲۔

میزان ۲۹

3

جاوید احمد غامدی

مِیزان

المورد

ادارۂ علم و تحقیق

ہوگی۔ اِس موقع پر اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تحت اِس میں سے کوئی چیز اگر ختم کرنا چاہیں گے تو اُسے ختم کرنے کے بعد یہ آپ کو اِس طرح پڑھا دیں گے کہ اِس میں کسی سہو و نسیان کا کوئی امکان باقی نہ رہے گا اور اپنی آخری صورت میں یہ بالکل محفوظ آپ کے حوالے کر دیا جائے گا۔

ثانیاً، آپ کو بتایا گیا ہے کہ یہ دوسری قراءت قرآن کو جمع کر کے ایک کتاب کی صورت میں مرتب کر دینے کے بعد کی جائے گی اور اِس کے ساتھ ہی آپ اِس بات کے پابند ہو جائیں گے کہ آیندہ اِسی قراءت کی پیروی کریں۔ اِس کے بعد اِس سے پہلے کی قراءت کے مطابق اِس کو پڑھنا آپ کے لیے جائز نہ ہوگا۔

ثالثاً، یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن کے کسی حکم سے متعلق اگر شرح و وضاحت کی ضرورت ہوگی تو وہ بھی اِس موقع پر کر دی جائے گی اور اِس طرح یہ کتاب خود اِس کے نازل کرنے والے ہی کی طرف سے جمع و ترتیب اور تفہیم و تبیین کے بعد ہر لحاظ سے مکمل ہو جائے گی۔

قرآن کی یہی آخری قراءت ہے جسے اصطلاح میں ''عرضۂ اخیرہ'' کی قراءت کہا جاتا ہے۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جبریل امین ہر سال جتنا قرآن نازل ہو جاتا تھا، رمضان کے مہینے میں اُسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھ کر سناتے تھے۔ آپ کی زندگی کے آخری سال میں، جب یہ عرضۂ اخیرہ کی قراءت ہوئی تو اُنھوں نے اِسے دو مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھ کر سنایا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كان يعرض على النبي صلى الله عليه وسلم القرآن كل عام مرة، فعرض عليه مرتين في العام الذي قبض فيه. (بخاری، رقم ۴۹۹۸)	''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر سال ایک مرتبہ قرآن پڑھ کر سنایا جاتا تھا، لیکن آپ کی وفات کے سال یہ دو مرتبہ آپ کو سنایا گیا۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ کی قراءت یہی تھی۔ آپ کے بعد خلفاے راشدین اور تمام صحابۂ مہاجرین و انصار اِسی کے مطابق قرآن کی تلاوت کرتے تھے۔ اِس معاملے میں اُن کے درمیان کوئی اختلاف نہ تھا۔ بعد میں یہی قراءت ''قراءت عامہ'' کہلائی۔ ابو عبد الرحمٰن السلمی کی روایت ہے:

كانت قراءة ابي بكر وعمر وعثمان وزيد بن ثابت والمهاجرين والانصار واحدة، كانوا يقرءون القراءة العامة وهي القراءة التي قرأها رسول الله صلى الله عليه وسلم على جبريل مرتين في العام الذي قبض	''ابو بکر و عمر، عثمان، زید بن ثابت اور تمام مہاجرین و انصار کی قراءت ایک ہی تھی۔ وہ قراءت عامہ کے مطابق قرآن پڑھتے تھے۔ یہ وہی قراءت ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے سال جبریل امین کو دو مرتبہ قرآن سنایا۔ عرضۂ اخیرہ کی اِس قراءت میں

قارئین کرام! یہاں پر ایک غور طلب بات یہ ہے کہ یہی غامدی جب اپنے استاذ امین احسن اصلاحی کا نام جب کبھی بھی کہیں پر لکھتا ہے تو نہایت ادب کیساتھ "استاذ امام" لکھتا ہے اور صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین یہاں تک کہ انبیاء کرام کے نام بھی نہایت ہی بے ادبی کیساتھ لکھتا ہے۔ یہ کس قدر غامدی کا دہرا معیار ہے آپ دیکھ سکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہم نے بھی اپنی اس تحریر میں غامدی کو صرف غامدی ہی لکھا ہے اگر اس سے غامدی کے کسی شاگرد کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو وہ پہلے غامدی کے گریبان میں جھانکے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مسلمانوں کی تمام تر مقدسات کی محبت اور انکا ادب کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

☆☆☆☆☆

صحابی رسول حضرت ماعزؓ اور غامدی کا بے لگام قلم

دین الٰہی اور اہل دین کے درمیان سلسلہ ابلاغِ دین کے بنیادی واسطے دو ہیں۔ پہلی ذات اقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اور دوسرے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے شاگردان مقبول عنداللہ ہیں جن پر رضی اللہ عنھم ورضوعنہ کا حکم الٰہی قرآنی شاہد ہے۔ان دو واسطوں میں سے اگر ایک واسطہ سے بھی عقیدت اور اعتماد میں فرق آ گیا تو سمجھو استحکام دین کا خاتمہ ہو جائے گا۔

اس وقت دور حاضر میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کی ذات مبارکہ کو جہاں دیگر دشمنان اسلام کی تنقیدات کا سامنا ہے وہیں پر ایک نام جاوید احمد غامدی کا بھی اس میں شامل ہے۔غامدی نے اپنی کتاب "برہان" میں "رجم کی سزا" کی بابت صحابی رسول حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کو نہایت ہی بے باکی کیساتھ، تمام ادب وآداب کو روندتے ہوئے کڑی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔

حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ سے عہد رسالت میں زنا کے جرم کا صدور ہو گیا تھا۔جس کے بعد جب یہ اطلاع، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو پہنچی اور خود حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے بھی دربار رسالت میں حاضر ہو کر اقبال جرم کیا پھر اس کے بعد ان پر زنا کی حد لگائی گئی اور انہیں سنگسار کر دیا گیا۔

غامدی نے اپنے استاذ امین احسن اصلاحی کے نقشقدم پر چلتے ہوئے اپنی کتاب "برہان" میں ان صحابی رسول کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ویسے تو غامدی نے جو کچھ ان پر اعتراضات کیے وہ کوئی نئے نہیں بلکہ قریباً غامدی کے استاذ کا ہی سرقہ ہیں۔

قارئین کرام! غامدی نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ پر جو کچھ اعتراضات کیے ہیں ہم اختصار کی خاطر اس سب کا خلاصہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں

(۱) حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے مہیرہ نامی عورت سے زنا کیا جس کے بعد وہ محض اس خیال سے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا کہ آپ اسے کوئی معمولی سزا دے کر چھوڑ دیں گے۔

(۲) آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو ماعز کے جرم کی پہلے سے ہی خبر تھی۔

(۳) ماعز نے عورت کیساتھ زنا بالجبر کا ارتکاب کیا تھا۔

(۴) تدفین کے وقت اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس کے جنازے کی نماز پڑھنے سے انکار کیا، لیکن دوسرے دن یہ نماز پڑھی اور لوگوں کو اس کے حق میں دعا کی نصیحت کی، اور انہیں بتایا کہ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایک امت پر تقسیم کی جائے تو اس کے لیے کافی ہو، اور بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ نے اسکی مغفرت فرمائی اور اسے جنت میں داخل کر دیا۔

(۵) اس سب کے بعد بھی یعنی کہ ماعز رضی اللہ عنہ کے اعتراف جرم، ندامت اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا لوگوں کو اس کے حق میں دعا فرمانے کے باوجود بھی..... یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ یہ (ماعز) کوئی مرد صالح تھا اور اس نے یہ جرم کوئی اتفاقاً کیا ہوگا۔

(۶) یہ کوئی جنسی ہیجان کے غلبہ میں عورتوں کا پیچھا کرنے والا شخص تھا جس سے زنا بالجبر کا جرم سرزد ہوا۔ جب اللہ کے رسول صلی للہ علیہ والہ وسلم اور صحابہ کرام جہاد پر جاتے تھے تو یہ شخص پیچھے رہ کر شہوت کے جوش میں بلبلاتا تھا۔

(۷) بیشک اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو وحی کے ذریعہ سے بتایا گیا کہ اس شخص کی مغفرت ہو گئی ہے لیکن پھر بھی اس سے اسکے پچھلے کردار کی نفی کیسے ہوگی؟ اس سے کیا یہ سمجھا جائے گا کہ کسی اوباش کو کبھی توبہ کی توفیق نہیں ملتی اور جو شخص توبہ کر لے، اس کے بارے میں یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کبھی اوباش بھی رہا تھا؟

(۸) جیسے کسی بدترین شخص کے مرجانے کے بعد اس کی برائی نہیں کی جاتی ویسے ہی آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بھی لوگوں کو ماعز کے بارے میں برا بھلا کہنے سے منع فرمادیا۔ لیکن اسکا یہ مطلب نہیں کہ ضرورت پڑنے پر ایسے شخص کے کا کردار زیر بحث نہیں لایا جاسکتا۔

(ملاحظہ فرمائیں برہان طبع دھم نومبر 2018 صفحہ 85-79)

جائے؟ اِن سوالات کا کوئی واضح جواب اِس مقدمے کی روداد میں نہیں ہے۔

اِس سلسلہ کا اہم ترین مقدمہ ماعز اسلمی کا ہے۔ یہ ایک یتیم تھا جس کی پرورش ہزال اسلمی کے گھر میں ہوئی۔[۱۳] ایک دن یہ اُن کے پاس آیا اور اُنھیں بتایا کہ میں مہیرہ نامی ایک عورت کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ آج اُس سے اپنی خواہش میں نے پوری کر لی، لیکن اب نادم ہوں کہ میں نے یہ کیا حرکت کر ڈالی۔[۱۴] ہزال نے اُسے مشورہ دیا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خود حاضر ہو جاؤ۔ اِس سے اُن کا مقصود یہ تھا کہ اِس جرم کی پاداش سے بچنے کی کوئی صورت اُس کے لیے نکل آئے گی۔[۱۵] چنانچہ یہ پہلے سیدنا صدیق اور سیدنا عمر فاروق کے پاس گیا اور دونوں کی اِس نصیحت کے باوجود کہ اللہ سے رجوع کرو اور جو پردہ اُس نے تم پر ڈالا ہے، اُس میں چھپے رہو،[۱۶] محض اِس خیال سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا کہ آپ اُسے کوئی معمولی سزا دے کر چھوڑ دیں گے۔ جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

انا لما خرجنا به فرجمناه فوجد مس الحجارة صرخ بنا: يا قوم، ردّوني الى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم فان قومي قتلوني وغروني من نفسي واخبروني ان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم غير قاتلي. (ابوداؤد، رقم ۴۴۲۰)	’’ہم نے اُسے باہر لا کر سنگ سار کرنا شروع کیا۔ پتھر پڑے تو وہ چیخا: لوگو، مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس لے چلو۔ میرے قبیلے کے لوگوں نے مجھے مروادیا۔ اُنھوں نے مجھے دھوکے میں رکھا۔ وہ مجھے یہی کہتے رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے قتل نہیں کرائیں گے۔‘‘

بعض روایات سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے اُسی نے

۱۳ ابوداؤد، رقم ۴۴۱۹۔
۱۴ الطبقات الکبریٰ، ابن سعد ۳/۲۲۸۔
۱۵ ابوداؤد، رقم ۴۴۱۹۔
۱۶ موطا، رقم ۲۵۵۹۔

اپنے جرم کے بارے میں بتایا،[۱۷] لیکن ابن عباس کی ایک روایت میں بالصراحت بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے آنے سے پہلے ہی اُس کے جرم سے مطلع تھے۔

روایت یہ ہے:

ان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال لماعز بن مالك: أحق ما بلغني عنك؟ قال: وما بلغك عني. قال: بلغني انك وقعت بجارية آل فلان، قال: نعم، قال: فشهد اربع شهادات، ثم امر به فرجم. (مسلم، رقم ۴۴۲۷)	’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز سے پوچھا: مجھے تمھارے بارے میں جو کچھ معلوم ہوا ہے، کیا وہ درست ہے؟ اُس نے کہا: آپ کو میرے بارے میں کیا معلوم ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے فلاں قبیلہ کی لڑکی کے ساتھ بدکاری کی ہے۔ اُس نے کہا: ہاں۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ اِس کے بعد اُس نے چار مرتبہ اقرار کیا، تب اُس پر سزا نافذ کرنے کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ اُسے رجم کر دیا گیا۔‘‘

اِس کے جرم کی نوعیت کیا تھی؟ اِس کے بارے میں کوئی واضح بات اگرچہ روایات میں بیان نہیں ہوئی، لیکن ابن سعد کی روایت کے مطابق جس عورت سے اُس نے بدکاری کی، اُسے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا، مگر اُس سے کچھ مواخذہ نہیں کیا، اِس وجہ سے صاف یہی معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے زنا بالجبر کا ارتکاب کیا:

دعا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم المرأة التي اصابها فقال: اذهبي ولم يسألها عن شيء. (الطبقات الکبریٰ ۳/۲۲۹)	’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس عورت کو بلایا جس سے ماعز نے زنا کیا تھا، پھر اُسے کہا: چلی جاؤ اور اُس سے کچھ تعرض نہیں کیا۔‘‘

۱۷ مثال کے طور پر دیکھیے: بخاری، رقم ۶۸۱۴؛ مسلم، رقم ۴۴۲۸؛ ابوداؤد، رقم ۴۴۱۹۔

یہ کس قسم کا مجرم تھا؟ اِس سوال کا نہایت واضح جواب اُس تقریر میں موجود ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے رجم کی سزا دینے کے بعد اُسی دن عصر کے وقت کی۔ امام مسلم کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

او كلما انطلقنا غزاة في سبيل اللّٰه تخلف رجل في عيالنا له نبيب كنبيب التيس. عليّ ان لا اوتى برجل فعل ذلك الا نكلت به. (رقم ۴۴۲۸)	’’کیا یہی نہیں ہوا کہ جب کبھی ہم اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلے تو ہمارے اہل و عیال میں سے ایک شخص پیچھے رہ گیا جو شہوت کے جوش میں بکرے کی طرح بلبلاتا تھا؟ سنو، مجھ پر لازم ہے کہ اِس طرح کا کوئی مجرم اگر میرے پاس لایا جائے تو میں اُسے عبرت ناک سزا دوں۔‘‘

اِس زمانے میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ اِس تقریر میں ماعز کا نام کہاں ہے کہ اِس کا مصداق اُسے قرار دیا جائے؟ لیکن اِس تقریر کو پڑھنے اور یہ جاننے کے بعد کہ آپ نے ماعز کو رجم کرانے کے بعد اُسی دن یہ خطبہ دیا، ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ کس قدر بے معنی بات ہے۔ ہمارے صدر ریاست نے صبح کسی پارٹی پر پابندی عائد کی اور شام کو ٹیلی وژن پر قوم سے خطاب فرمایا کہ یہاں ایک ایسی پارٹی موجود تھی جو اِس ملک کو توڑنے کے منصوبے بناتی رہی۔ اب ہر شخص کو جان لینا چاہیے کہ اِس طرح کی کوئی دوسری جماعت اگر قائم ہوئی تو اُس کا وجود بھی اِس ملک میں برداشت نہیں کیا جائے گا۔ اِس خطاب کو سننے کے بعد کیا کسی عاقل سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اِس کے بارے میں یہ کہے گا کہ اِس میں کسی کا نام کہاں ہے کہ اِس کا مصداق اُس پارٹی کو قرار دیا جائے جس پر صبح پابندی عائد کی گئی۔

اِسی طرح بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ ماعز وہ شخص ہے جس نے اپنے جرم کا خود اعتراف کیا اور اِس پر ندامت ظاہر کی۔[۱۸] سیدنا صدیق اور سیدنا عمر فاروق کے پاس یہ حاضر ہوا تو اُنھوں نے اُسے

۱۸ الطبقات الکبریٰ، ابن سعد ۳/۲۲۹۔

جرم چھپانے اور اللہ کی طرف رجوع کرنے کی تلقین کی۔[19] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اُس کا یہ اعتراف جرم فوراً قبول کر لینے کے بجائے اُسے بار بار لوٹایا[20] اور سزا کا فیصلہ کرنے سے پہلے اِس طرح کے سوالات کیے کہ: کیا تم جانتے ہو کہ زنا کیا ہے؟ اور تم نے کہیں شراب تو نہیں پی؟ اور اُس کی قوم سے پوچھا کہ اِس کے دماغ میں کچھ خلل تو نہیں ہے؟[21] لوگوں نے آپ کو بتایا کہ پتھر پڑنے پر وہ چیخ رہا تھا کہ لوگو، مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلو، میرے قبیلے والوں نے مجھے مروا دیا تو آپ نے فرمایا کہ تم نے اُسے چھوڑ کیوں نہیں دیا؟[22] شاید وہ توبہ کرتا اور اللہ اُس کی توبہ قبول کر لیتا[23] اور اُس کے سرپرست سے کہا کہ تم نے اچھا نہیں کیا، بہتر یہی تھا کہ تم اِس کے جرم پر پردہ ڈالتے۔[24] لوگوں نے جب یہ کہا کہ اِس شخص کی شامت نے اِس کا پیچھا نہیں چھوڑا، یہاں تک کہ کتے کی طرح سنگ سار کر دیا گیا تو حضور نے اُنھیں تنبیہ کی۔[25] تدفین کے وقت اگرچہ آپ نے اُس کے جنازے کی نماز پڑھنے سے انکار کیا، لیکن دوسرے دن یہ نماز پڑھی اور لوگوں کو اُس کے حق میں دعا کی نصیحت کی،[26] اور اُنھیں بتایا کہ اُس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایک امت میں تقسیم کی جائے تو اُس کے لیے کافی ہو،[27] اور بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کی مغفرت فرمائی اور اُسے جنت میں داخل کر دیا ہے۔[28] وہ کہتے ہیں کہ اِس کے بارے میں یہ سب باتیں بھی چونکہ حدیث کی کتابوں

[19] موطا، رقم ۲۵۵۹۔

[20] مسلم، رقم ۴۴۲۸۔

[21] بخاری، رقم ۵۲۷۱۔ مسلم، رقم ۴۴۲۰، ۴۴۲۸، ۴۴۳۱، ۴۴۳۲۔ ابوداؤد، رقم ۴۴۲۱، ۴۴۲۸۔

[22] ابوداؤد، رقم ۴۴۲۰۔

[23] ابوداؤد، رقم ۴۴۱۹۔ الطبقات الکبریٰ، ابن سعد ۳/۲۲۹۔

[24] الموطا، رقم ۲۵۶۰۔ الطبقات الکبریٰ، ابن سعد ۳/۲۲۹۔

[25] ابوداؤد، رقم ۴۴۲۸۔

[26] فتح الباری، ابن حجر ۱۲/۱۳۱۔ مسلم، رقم ۴۴۳۱۔

[27] مسلم، رقم ۴۴۳۱۔

میں بیان ہوئی ہیں، اِس وجہ سے یہ کسی طرح باور نہیں کیا جا سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس تقریر کا مصداق فی الواقع یہی تھا اور اِس نے اگر زنا بالجبر کا ارتکاب بھی کیا تو یہی سمجھنا چاہیے کہ یہ کوئی بھولا بھالا شخص تھا جو جذبات سے مغلوب ہو کر یہ حرکت کر بیٹھا۔

اِس میں شبہ نہیں کہ ماعز کے بارے میں یہ سب باتیں حدیث کی کتابوں میں بیان ہوئی ہیں، لیکن حق یہ ہے کہ اِن میں سے کوئی بات بھی ایسی نہیں ہے جس کی بنیاد پر اُس کے اُس کردار کی نفی کی جا سکے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر سے نمایاں ہوتا ہے۔

اعتراف جرم اور ندامت سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ یہ کوئی مرد صالح تھا جس سے یہ جرم اتفاقاً سرزد ہو گیا۔ دنیا میں جرائم کی جو تاریخ اب تک رقم ہوئی ہے، اُس سے دسیوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں کہ بدترین اوباش اور انتہائی بدخصلت گنڈے جو کسی طرح گرفت میں نہیں آ سکتے تھے، ارتکاب جرم کے فوراً بعد کسی وقت اِس طرح قانون کے سامنے خود پیش ہوئے کہ اُن کی ندامت پر لوگوں کے دلوں میں اُن کے لیے ہم دردی کے جذبات امنڈ آئے۔ نفسیات جرم کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس کے محرکات کئی ہو سکتے ہیں: مجرم اِس اندیشے میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ اب یہ جرم چھپا نہ رہے گا، اِس لیے وہ خود آگے بڑھ کر اِس خیال سے اپنے آپ کو قانون کے سامنے پیش کر دیتا ہے کہ اِس طرح شاید اُسے سخت سزا نہ دی جائے۔ جرم اِس طریقے سے سرزد ہوتا ہے کہ اُس کے افشا کو روکنا فی الواقع ممکن نہیں رہتا۔ چنانچہ وہ سبقت کر کے اپنے آپ کو لوگوں کے ردعمل کی شدت سے بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ جنسی ہیجان کے غلبہ میں مہینوں عورتوں کا پیچھا کرنے والے جب پہلی مرتبہ زنا بالجبر کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں تو بعض اوقات اِس جرم کے نتیجے میں ہیجان کا ختم ہو جانا ہی اُنھیں اعتراف جرم پر آمادہ کر دیتا ہے۔ مجرم کے ماحول میں کسی غیر معمولی دینی شخصیت کا وجود بھی اِس کا باعث بن جاتا ہے۔ جرم کے حالات، مثلاً مجرم کی درندگی کا شکار ہونے والی عورت یا بچے کی بے بسی بھی یہ نتیجہ پیدا کر دیتی ہے۔ ضمیر کی خلش اور انسان کے اندر سے نفس لوامہ

[28] ابوداؤد، رقم ۴۴۲۸۔

کی سرزنش بھی صرف بھولے بھالے مجرموں ہی میں احساس ندامت پیدا کرنے کا باعث نہیں بنتی، بڑے بڑے بدمعاش بھی بعض اوقات کسی خاص صورت حال میں اُس سے متنبہ ہو جاتے ہیں اور پھر پورے خلوص کے ساتھ، نہ صرف یہ کہ اپنے جرم کا اعتراف کر لیتے ہیں، بلکہ اصرار کرتے ہیں کہ اُنھیں جلد سے جلد کیفر کردار کو پہنچا دیا جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دو جلیل القدر ساتھیوں نے اُسے اگر بار بار لوٹایا اور تلقین کی کہ سزا پانے کے بجائے اُسے اپنی اصلاح کرنی چاہیے اور اُس کے سرپرست سے بھی یہی بات کہی اور عام لوگوں کو بھی اِسی کی نصیحت کی تو اُس کی فرد قرارداد جرم پر اِس سے کیا اثر پڑا؟ ہر صالح نظام میں معاشرے کے اکابر کا رویہ یہی ہونا چاہیے کہ جب تک معاملہ نالش یا مقدمے کی صورت اختیار نہیں کر لیتا، اُس وقت تک ہر شخص کو اِسی طرح نصیحت کی جائے۔ چنانچہ قرآن مجید نے سورۂ مائدہ میں جہاں بغاوت اور فساد فی الارض کے مجرموں کے لیے عبرت ناک سزائیں بیان کی ہیں، وہاں یہ ہدایت بھی کی ہے کہ یہ سزائیں اُن لوگوں پر نافذ نہ کی جائیں جو قانون کی گرفت میں آنے سے پہلے توبہ کر کے اپنے رویے کی اصلاح کر لیں۔ اِس طرح کے مجرموں کے بارے میں اگر بعد میں بھی یہ معلوم ہو کہ وہ احساس ندامت کے ساتھ آمادۂ اصلاح ہیں تو قرآن مجید کی اِنھی آیات کی رو سے عدالت اُنھیں کم تر سزا بھی دے سکتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر یہ فرمایا کہ تم نے اُسے چھوڑ کیوں نہیں دیا تو ظاہر ہے کہ اِسی مقصد کے پیش نظر فرمایا۔ توبہ و اصلاح کی توفیق اگر اللہ چاہے تو کسی بڑے سے بڑے مجرم کو بھی کسی وقت حاصل ہو سکتی ہے اور اِس کے نتیجے میں اُس کا پروردگار اُسے جنت میں بھی داخل کر سکتا ہے۔ اللہ کا رسول اگر دنیا میں موجود ہو اور اُسے وحی کے ذریعے سے یہ بتایا جائے کہ مجرم کی مغفرت ہو گئی اور یہ معلوم ہو جانے کے بعد اُس کی نماز جنازہ پڑھے اور لوگوں کو بھی اُس کے حق میں دعا کی نصیحت کرے تو اِس سے اُس کردار کی نفی کس طرح ہو جائے گی جو توبہ و اصلاح سے پہلے اُس مجرم کا رہا؟ اِس سے کیا یہ سمجھا جائے کہ کسی اوباش کو کبھی توبہ کی توفیق نہیں ملتی اور جو شخص توبہ کر لے، اُس کے بارے میں یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کبھی اوباش بھی رہا تھا؟

اِسی طرح یہ بات تو بے شک، صحیح ہے کہ کسی بدترین شخص کا ذکر بھی اُس کے مر جانے کے بعد کبھی برے لفظوں میں نہیں کرنا چاہیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسی بنا پر اُن لوگوں کو تنبیہ کی جو ماعز کے بارے میں یہ کہہ رہے تھے کہ اِس کی شامت نے اِس کا پیچھا نہیں چھوڑا، یہاں تک کہ کتے کی طرح سنگ سار کر دیا گیا، لیکن اِس کے معنی کیا یہ ہیں کہ جس شخص کے بارے میں بغیر کسی ضرورت کے اِس طرح کا تبصرہ کرنے سے لوگوں کو روکا جائے، وہ لازماً کوئی ہستی معصوم ہی ہوتا ہے اور قانون و شریعت کی تحقیق کے لیے بھی اُس کا کردار کبھی زیر بحث نہیں لایا جا سکتا؟

رہی یہ بات کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے، مثلاً اِس طرح کے سوالات کیے کہ کیا تم جانتے ہو کہ زنا کیا ہے؟ تو یہ وہ سوالات ہیں جو اعتراف جرم کی صورت میں ہر عدالت کو لازماً کرنے چاہییں۔ اِس صورت میں چونکہ اِس بات کا ہر وقت امکان ہوتا ہے کہ بعد میں کوئی شخص مجرم کے کسی مبہم بیان کی بنا پر عدالت کے فیصلے پر معترض ہو اور مدینہ کے ماحول میں جہاں منافقین صبح و شام اِسی طرح کے فتنوں کے لیے سرگرم رہتے تھے، اِس بات کا اندیشہ چونکہ اور بھی زیادہ تھا، اِس وجہ سے آپ نے اپنے سوالات کے ذریعے سے معاملے کا کوئی پہلو غیر واضح نہیں رہنے دیا۔ اِس سے کوئی شخص اگر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ بے چارہ تو یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ زنا کیا ہے تو اُس کے بارے میں پھر کیا عرض کیا جا سکتا ہے! حقیقت یہ ہے کہ اِس طرح کے لوگ اگر زنا بالجبر کے متعلق بھی یہ کہتے ہیں کہ شرفا بھی کبھی کبھی اُس کے مرتکب ہو جایا کرتے ہیں تو اِس پر کچھ تعجب نہ کرنا چاہیے۔ عقل و دانش کی جو مقدار اب ہمارے مدرسوں میں باقی رہ گئی ہے، اُس کے بل بوتے پر اِس سے زیادہ کیا چیز ہے جس کی توقع اِن لوگوں سے کی جا سکتی ہے؟

بہرحال یہ ہے اِن سب باتوں کی حقیقت، لیکن اِس کے باوجود اگر کوئی شخص اصرار کرتا ہے کہ اِن روایات سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی ہستی معصوم تھا جو بس یونہی راہ چلتے کسی عورت سے بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھا تو اُسے پھر مان لینا چاہیے کہ اِس صورت میں نہایت شدید قسم کا جو تناقض اُس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر اور اِن روایات کے مضمون میں پیدا ہو جائے گا، اُس کی بنا پر کوئی حتمی بات اِس مقدمے کے بارے میں بھی کسی شخص کے لیے کہنا ممکن نہ ہو گا۔

نوٹ: غامدی نے اس واقعہ کے متعلق مؤطا، بخاری، مسلم، ابوداؤ، اور طبقات ابن سعد وغیرہم کتب کے حوالہ جات دیے ہیں۔ لیکن زیادہ تر زور طبقات ابن سعد پر دیا ہے اوران روایات کی اسنادی حیثیت کو بلکل بھی ملحوظ خاطر نہیں رکھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان روایات میں سے ایک ایک سطر کو الگ طریق سے اپنے مطابق پیش کیا ہے تا کہ اپنے مؤقف کو مزید قوت بخش سکیں۔

غامدی کے نزدیک تو مؤطا، بخاری اور مسلم احادیث کی امہات کتب ہیں پھر کیا وجہ تھی کہ غامدی نے یہ واقعہ ان کتب میں موجود ہونے کے باوجود دیگر کتب کو بھی ترجیح دی؟ اور وہ بھی اس واقعہ کی اسنادی حیثیت کو مدنظر رکھے بغیر!!!

قارئین کرام! حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے متعلق مکمل حقیقت کو واضح کرنے سے پہلے ہم غامدی کی تحریر کے حوالے سے چند گزارشات آپ حضرات کی خدمت میں عرض کریں گے۔

1: غامدی نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کا نام صرف "ماعز" لکھا ہے جبکہ خود غامدی نے اپنی کتاب برہان میں یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مغفرت فرمادی تھی....... لیکن اس کے باوجود بھی غامدی کو صحابی رسول کے نام کیساتھ "رضی اللہ عنہ "لگانا منظور نہیں ہے۔ یہ کس قدر بدبختی کی بات ہے کہ ایک شخص سے اللہ اور اللہ کے رسول تو راضی ہوجاتے ہیں لیکن غامدی راضی نہیں ہوتا۔

2: غامدی نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ سے متعلق، اوباش، جنسی ہیجان، بدخصلت جیسے الفاظ استعمال کر کے ایک ایسا نقشہ کھینچا ہے کہ جس کو پڑھ کر لوگوں کے دلوں میں صحابہ کرام کے متعلق صرف نفرت ہی پیدا ہوگی اور کچھ نہیں۔

3: اگر غامدی نے رجم کی سزا کے موضوع کی وجہ سے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کا واقعہ نقل کر ہی لیا تھا تو...... چاہیے تو یہی تھا کہ یہ واقعہ صرف نقل کرنے اور اس سے کسی دلیل کے استنباط کرنے کی حد تک ہوتا لیکن......... غامدی نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے لگے ہاتھوں حضرت ماعز رضی اللہ عنہ پر اپنے

بے لگام قلم کے نشتر چلا دیے..... افسوس۔

4: حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی اللہ تعالیٰ نے بخشش فرمادی اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بھی باقی لوگوں کو یہ تنبیہ فرمادی کہ انکا ذکر اب اچھے لفظوں میں ہی کرنا ہے لیکن......... غامدی اس قدر حد سے تجاوز کر گیا کہ یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی تنقید کو جاری رکھا اور شفیع اعظم آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حکم کو بھی ملحوظ خاطر نہ رکھا۔

قارئین کرام! ہم نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی بابت غامدی کی تنقید کا خلاصہ آپ حضرات کی خدمت میں پیش کر دیا اب ہم آپ کے سامنے اس سارے واقعہ کی حقیقت کو الم نشرح کرتے ہیں۔

اصل واقعہ.......

عہد رسالت میں ایک شخص یعنی حضرت ماعز رضی اللہ عنہ سے جرم زنا کا صدور ہو گیا۔

جب یہ بات آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم تک پہنچی اور خود حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے دربار رسالت میں حاضر ہو کر اپنے جرم کا اعتراف کر لیا تو اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حکم پر انہیں حد لگائی گئی اور سنگسار کر دیا گیا۔

یہ واقعہ حدیث کی تمام کتب میں موجود ہے اور تواتر سے بھی ثابت ہے۔ شارحین حدیث بھی اس کا تواتر ہونا بیان کرتے ہیں۔ اس واقعہ کی مکمل تفصیلات کا جہاں تک تعلق ہے تو وہ اخبار آحاد میں آئی ہیں اور ان میں بظاہر کہیں کہیں پر اختلاف نظر آتا ہے۔ ہم ان کی تفصیلات میں جانے سے پہلے ضروری سمجھتے ہیں کہ غامدی کے چند جملوں کو یہاں پر نقل کر دیں۔

اعتراف جرم کے بعد یہ بات لازم نہیں آتی کہ یہ کوئی مرد صالح تھا جس سے یہ جرم اتفاقاً سرزد ہو گیا۔

(برہان طبع دھم نومبر 2018 صفحہ 83)

جنسی ہیجان کے غلبہ میں مہینوں عورتوں کا پیچھا کرنے والے جب پہلی مرتبہ زنا بالجبر کا ارتکاب کر بیٹھتے

ہیں تو بعض اوقات اس جرم کے نتیجے میں ہیجان ختم ہو جانا ہی انہیں اعتراف جرم پر امادہ کر دیتا ہے۔

(برہان طبع دھم نومبر 2018 صفحہ 83)

اللہ کا رسول اگر دنیا میں موجود ہو اور اسے وحی کے ذریعہ سے یہ بتایا جائے کہ مجرم کی مغفرت ہوگئی اور یہ معلوم ہو جانے کے بعد اسکی نماز جنازہ پڑھے اور لوگوں کو بھی اس کے حق میں دعا کی نصیحت کرے تو اس سے اس کردار کی نفی کس طرح ہو جائے گی جو توبہ اور اصلاح سے پہلے اس مجرم کا رہا؟ اس سے کیا یہ سمجھا جائے گا کہ کسی اوباش کو کبھی توبہ کی توفیق نہیں ملتی اور جو شخص توبہ کر لے، اس کے بارے میں یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کبھی اوباش بھی رہا تھا؟

(برہان طبع دھم نومبر 2018 صفحہ 84)

بہر حال یہ ہے ان سب باتوں کی حقیقت، لیکن اس کے باوجود اگر کوئی شخص اصرار کرتا ہے کہ ان روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی ہستی معصوم تھا جو بس یونہی راہ چلتے کسی عورت سے بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھا تو اسے پھر مان لینا چاہیے کہ اس صورت میں نہایت شدید قسم کا جو تناقص اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تقریر اور ان روایات کے مضمون میں پیدا ہو جائے گا، اس کی بنا پر کوئی حتمی بات اس مقدمے کے بارے میں بھی کسی شخص کے لیے کہنا ممکن نہ ہوگا۔

(برہان طبع دھم نومبر 2018 صفحہ 85)

آہ! کس قدر جفا کار ہے غامدی کا قلم جو شرم وحیا کے تمام تقاضوں کو نظر انداز کر کے اسطرح بے باکی کیساتھ ایک صحابی رسول کے بارے میں کس قدر غلیظ اور نجس انداز میں بات کر رہا ہے۔

غامدی کتنا بد دیانت، خوف خدا سے محروم اور حیا باختہ شخص ہے کہ وہ روایات صحیحہ کو یکسر نظر انداز کر کے اپنے ناپاک قلم کو اس طرح بے لگام چھوڑ دیتا ہے۔ کیا غامدی کو امام الانبیاء صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا یہ فرمان بھی معلوم نہیں تھا کہ...... "میرے اصحاب کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا پھر سن کو میرے

اصحاب کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا، میرے بعد انکونشانہ نہ بنالینا۔"

ایک طرف رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی وصیت ہے اور دوسری طرف غامدی کی علمی تحقیق۔ دنیا میں کسی عدالت میں اگر فوجداری کا مقدمہ بھی پیش ہوتا ہے تو ملزم کو صفائی کا مکمل موقع دیا جاتا ہے، عدالت اس کے گواہوں کو بغور سنتی ہے پھر جا کر فیصلہ سنایا جاتا ہے.......لیکن غامدی نے پیغمبر خدا کے صحابی کے برخلاف فرد جرم مرتب کر کے یکطرفہ فیصلہ سنا دیا۔

آیئے! اب ہم اقتباسات بالا کے مختلف اجزاء پر الگ الگ پہلو سے گفتگو کرتے ہیں۔

حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کا کردار:

غامدی نے تو حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو، اوباش، جنسی ہیجان کا شکار، اور یہ کوئی مرد صالح نہیں تھا، یہ تک کہ دیا اور جو باقی انکا سراپا جن لفظوں میں بیان کیا ہے وہ آپ حضرات اوپر ملاحظہ فرما چکے ہیں لیکن......ان کو عادی مجرم ثابت کرنے کے لیے غامدی کوئی ضعیف سے ضعیف روایت بھی نقل نہیں کر سکا۔

غامدی جیسے فلسفی سے کوئی پوچھے تو.....کہ جناب! جب تک کسی مجرم کا عادی مجرم ہونا ثابت نہ ہو جائے تو کیا وہ سزا کا مستحق نہیں بنتا؟

اگر ایک شخص پرہیز گار اور حلال خور ہے لیکن کسی موقع پر وہ لالچ یا ہوائے نفس کی وجہ سے مغلوب ہو کر چوری کر لیتا اور اسکا جرم بھی ثابت ہو جاتا ہے تو کیا اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا؟ اور جب اسکا ہاتھ کاٹ لیا تو پھر کیا یہی کہا جائے گا کہ جناب، یہ شخص بڑا اُچکا اور لفنگا تھا۔ جب بھی اسے موقع ملتا تھا لوگوں کا مال چوری کر لیا کرتا تھا۔

اسی طرح اگر ایک شخص نیک کردار ہے لیکن کسی سے اس کا جھگڑا ہو گیا اور وہ بے قابو ہو کر اسے قتل کر ڈالتا ہے تو کیا وہ مستوجب سزا نہ ہو گا؟

کتنی بودی اور بے وزن ہے یہ دلیل کہ فلاں شخص کو چونکہ فلاں جرم میں سزا ہوئی تھی اس لیے معلوم ہوا کہ وہ پکا لوفر، لفنگا تھا۔

قارئین کرام! اس نکتہ کو بخوبی ذہن نشین رکھیں کہ کسی شخص کے بارے میں اتفاقیہ جرم کا ثابت ہو جانا اور بات ہے اور کسی شخص کا عادی مجرم ہونا اور بات ہے۔ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے متعلق روایات میں جو کچھ آیا ہے وہ اتفاقاً ان سے جرم زنا کا سرزد ہونا ہے۔

ایک شبہ اور اسکا جواب:

ہوسکتا ہے کہ کسی شخص کو مسلم شریف کی اس روایت سے شبہ گزرے جو غامدی نے ایک موقع پر نقل کی ہے اور اس سے یہ باور کروانے کی کوشش کی ہے کہ گویا حضرت ماعز رضی اللہ عنہ جنسی ہیجان کی وجہ سے عورتوں کے پیچھے پھرتے تھے۔ ہم یہاں پر اس روایت کے الفاظ غامدی کی کتاب سے ہی پیش کر دیتے ہیں.... ملاحظہ فرمائیں

" کیا یہ نہیں ہوا کہ جب کبھی ہم اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلے تو ہمارے اہل وعیال میں سے ایک شخص پیچھے رہ گیا جو شہوت کے جوش میں بکرے کی طرح بلبلاتا تھا؟ سنو، مجھ پر لازم ہے کہ اس طرح کا کوئی مجرم اگر میرے پاس لایا جائے تو میں اسے عبرت ناک سزا دوں۔"

اس سلسلہ میں دھوکہ یہاں سے لگتا ہے کہ غامدی نے اس روایت کے صرف اس حصے کو مخصوص انداز میں پیش کر کے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ پر منطبق کر دیا۔

حالانکہ یہ بلکل غلط ہے، خطبہ دینے کا ذکر مسلم شریف میں بھی ہے اور ابوداؤد شریف میں بھی موجود ہے۔ ایک روایت حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو کہ دونوں کتب میں موجود ہے اور دوسری روایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو کہ صرف صحیح مسلم میں موجود ہے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں " خلف احدھم " کے الفاظ آئے ہیں مگر غامدی نے یہ

روایت نکل نہیں کی کیونکہ اگر اس روایت کو نقل کرتا تو پھر اپنا مطلب نکالنا مشکل ہو جاتا کیونکہ صحیح مسلم کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی روایت میں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے خطبہ میں یہ الفاظ پائے جاتے ہیں کہ "..... کوئی شخص پیچھے رہ جاتا۔" جبکہ غامدی نے جو روایت نقل کی اس میں "ایک شخص پیچھے رہ جاتا" کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے خطبہ کے متعلق سمجھیے :

روایت کے الفاظ خواہ کچھ بھی ہوں لیکن بات کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ جب بھی کوئی اہم واقعہ پیش آتا تو موقع محل کی مناسبت سے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم امت کو نصیحت فرماتے تھے۔

اب یہ ضروری نہیں کہ وعظ و نصیحت کے ہر جملہ میں پیش آنے والے کسی واقعہ کی طرف اشارہ ہو۔

مثال کے طور پر...... سورج گہن ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے نماز الکسوف ادا فرمائی اور اس کے بعد ایک خطبہ دیا، جس میں ارشاد فرمایا...... "سورج اور چاند گہن نہ تو کسی کے مرنے سے لگتا ہے، نہ کسی کے جینے سے۔ اے امت محمد! اللہ سے زیادہ غیرت مند کوئی نہیں ہے کہ اسکا بندہ یا بندی زنا کا ارتکاب کرے۔"

اس موقع پر یہ ارشاد فرمانا تو واقعات کی بنیاد پر تھا کہ "سورج اور چاند کو گہن کسی کی موت کی وجہ سے نہیں لگتا۔" کیونکہ زمانہ جاہلیت میں یہ لوگ ایسا سمجھتے تھے، مگر آگے جو یہ ارشاد فرمایا کہ...... "اے امت محمد! اللہ سے زیادہ غیرت مند کوئی نہیں ہے کہ اسکا بندہ یا بندی زنا کا ارتکاب کرے۔"

اب اس بات کا تعلق کسی واقعہ سے نہیں ہے۔ لہٰذا اب اس سورج چاند گہن والے خطبہ سے کوئی غامدی عقل والا یہ کہنا شروع کر دے کہ ضرور اس دن کسی نے زنا کا ارتکاب کیا ہوگا وغیرہ تو اسکی عقل پر ماتم ہی کیا جا سکتا ہے بس۔

اسی طرح احادیث رسول میں اور بھی بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں کہ جس سے یہ ثابت ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم صرف وعظ و نصیحت کے لیے ایسے ارشاد فرماتے تھے لیکن اس سے یہ ضروری نہیں سمجھنا چاہیے کہ لازمی کوئی واقعہ پیش آیا ہوگا تو ہی آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ایسے نصیحت فرمائیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے خطبہ میں نہ تو حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کا نام لیا اور نا ہی کسی صحابی یا بعد کے کسی راوی نے یہ بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے یہ ارشاد حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا تھا، بلکہ اس کے برعکس مسند احمد میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہی سے ایک روایت منقول ہے کہ جس میں صریحاً یہ بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی جو حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے حق میں طعن و تشنیع کر رہے تھے۔

اس کے علاوہ خود غامدی نے بھی اپنی کتاب برہان کے صفحہ 85 پر یہ اعتراف کیا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بھی ان لوگوں کو یہ تنبیہ فرمائی تھی جو حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کا ذکر برے لفظوں میں کر رہے تھے۔

علاوہ ازیں...... یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک طرف حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم تو اپنے اس غلام کا ذکر اچھے لفظوں میں فرمائیں اور دوسری طرف ایک خطبہ ارشاد فرما کر اسی غلام کی بدکاری کا پرچار بھی کریں؟ لہٰذا یہی بات واضح ثابت ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے خطبہ میں حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے متعلق ایسا کچھ بھی نہیں فرمایا تھا۔

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ دربار رسالت میں کیسے پہنچے؟

غامدی نے احادیث مبارکہ کے جوڑ توڑ کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ، ماعز رضی اللہ عنہ کوئی مرد صالح اور بھلے مانس آدمی نہیں تھے کہ وہ ازخود اپنے جرم پر نادم ہو کر دربار رسالت صلی اللہ علیہ والہ وسلم پہنچے ہوں بلکہ وہ تو اپنے قبیلے والوں کے اصرار پر حاضر ہوئے تھے اور وہ یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ شاید اسطرح وہ

سزا سے بچ جائیں گے۔ بلکہ خود آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس سخت انداز سے ان سے پوچھ گچھ کی کہ انکو اعتراف جرم کے علاوہ اور کوئی چارہ نظر نہیں آیا۔

قارئین کرام! اب ہم آئمہ دین کی تصریحات کے مطابق اس کی تفصیل پر کلام کرتے ہیں۔

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کا واقعہ کتب احادیث میں کم وبیش بارہ صحابہ کرام سے منقول ہے اور صحیح بخاری وغیرہ کے مطابق اکثر حضرات "اتی" اور "جاء" کے لفظوں سے بیان کا آغاز کرتے ہیں، یعنی یہ کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ خود ہی آئے تھے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ جو حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے ذات بھائی یعنی قبیلہ اسلم ہی کے ایک فرد ہیں، ان کی روایت مسلم شریف میں موجود ہے کہ ماعز رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے پاک کیجیے۔ مؤطا امام مالک میں ہے کہ وہ سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور انہیں بتایا کہ ان سے جرم سرزد ہو گیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ، کیا کسی اور سے بھی تو نے اسکا ذکر کیا ہے؟ کہا نہیں۔ تو پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کے سامنے توبہ کرو، اللہ نے تم پر پردہ ڈالا ہے تو تم پردہ میں رہو، کیونکہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔

مگر ماعز رضی اللہ عنہ کے دل کو قرار نہیں آیا اور وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ انہوں نے بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسا مشورہ دیا لیکن پھر بھی ان کے دل کو قرار نہ آیا حتیٰ کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت حاضر ہو گئے۔

اب حقیقت صرف اتنی سی ہے کہ..... حضرت ماعز رضی اللہ عنہ یتیم ہو کر ایک صحابی حضرت ہزال رضی اللہ عنہ کے زیر کفالت تھے۔ جب ماعز رضی اللہ عنہ سے اس گناہ کا صدور ہوا تو حضرت ہزال رضی اللہ عنہ ان سے فرمایا کہ: تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس جاؤ اور انہیں اسکی خبر دو شاید وہ تمہارے لیے بخشش کی دعا فرما دیں۔

ہزال رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ شاید اس طرح پر کوئی راہ نکل آئے۔ چناچہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس گئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! مجھ سے زنا سرزد ہو گیا ہے۔ کتاب اللہ کتاب اللہ کا جو حکم ہو آپ مجھ پر نافذ کر دیں۔ **(ملاحظہ فرمائیں سنن ابوداؤد شریف رقم الحدیث 4419)**

قصہ مختصر یہ ہے کہ، حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو حضرت ہزال رضی اللہ عنہ نے مشورہ ضرور دیا تھا لیکن قبیلہ والوں کا ان پر اصرار کوئی نہیں تھا بلکہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے انہیں راز کو راز رکھنے کا مشورہ دیا تھا۔ یہ سب کچھ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی شرافت نفس کا نتیجہ تھا کہ ان سے گناہ سرزد ہو جانے کے بعد دل کی بے قراری کبھی در صدیق پر لے جاتی تو کبھی در فاروقی رضی اللہ عنہما پر لیکن جب پھر بھی بے چینی ختم نہیں ہوتی تو اپنے کفیل سے اپنے گناہ کا ذکر کرتے ہیں اور ان کے مشورے پر آستانہ نبوت پر حاضری دیتے ہیں۔ دل میں ایک ہی تڑپ ہے کہ کسی طرح یہ گناہ دھل جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فرمان ہے کہ "جو شخص کسی گناہ کا مرتکب ہوا اور اسے اس کی سزا مل گئی تو وہ اس کے لیے کفارہ بن جائے گی اور جس نے گناہ کا کام کیا، پھر اللہ نے اسکی پردہ پوشی کی تو اب اگر وہ چاہے تو اسے بخش دے اور چاہے تو عذاب دے۔"

فَأُتِيَ بِهَا فَوَضَعَ أَحَدُهُمْ يَدَهُ عَلَى آيَةِ الرَّجْمِ وَجَعَلَ يَقْرَأُ مَا قَبْلَهَا وَمَا بَعْدَهَا فَقَالَ لَهُ ابْنُ سَلَامٍ: ارْفَعْ يَدَكَ فَإِذَا آيَةُ الرَّجْمِ تَحْتَ يَدِهِ فَأَمَرَ بِهِمَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَرُجِمَا. قَالَ ابْنُ عُمَرَ فَرُجِمَا عِنْدَ الْبَلَاطِ فَرَأَيْتُ الْيَهُودِيَّ أَجْنَأَ عَلَيْهَا. [راجع: ۱۳۲۹]

رجم والی آیت پر اپنا ہاتھ رکھ لیا اور اس سے آگے اور پیچھے کی آیتیں پڑھنے لگا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ اپنا ہاتھ ہٹاؤ (اور جب اس نے اپنا ہاتھ ہٹایا تو) آیت رجم اس کے ہاتھ کے نیچے تھی۔ آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کے متعلق حکم دیا اور انہیں رجم کر دیا گیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ انہیں بلاط (مسجد نبوی کے قریب ایک جگہ) میں رجم کیا گیا۔ میں نے دیکھا کہ یہودی عورت کو مرد بچانے کے لیے اس پر جھک جھک پڑتا تھا۔

ثابت ہوا کہ مسلم اسٹیٹ میں یہودیوں اور عیسائیوں کے فیصلے ان کی شریعت کے مطابق کئے جائیں گے بشرطیکہ اسلام ہی کے موافق ہوں۔

۱۱- باب الرَّجْمِ بِالْمُصَلَّى

۶۸۲۰- حَدَّثَنِي مَحْمُودٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَجُلاً مِنْ أَسْلَمَ جَاءَ النَّبِيَّ ﷺ فَاعْتَرَفَ بِالزِّنَا فَأَعْرَضَ عَنْهُ النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى شَهِدَ عَلَى نَفْسِهِ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ قَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: ((أَبِكَ جُنُونٌ؟)) قَالَ : لاَ. قَالَ : ((احْصَنْتَ)) قَالَ : نَعَمْ. فَأَمَرَ بِهِ فَرُجِمَ بِالْمُصَلَّى فَلَمَّا أَذْلَقَتْهُ الْحِجَارَةُ فَرَّ، فَأُدْرِكَ فَرُجِمَ حَتَّى مَاتَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ خَيْرًا وَصَلَّى عَلَيْهِ. لَمْ يَقُلْ يُونُسُ وَابْنُ جُرَيْجٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ فَصَلَّى عَلَيْهِ. [راجع: ۵۲۷۰]

باب عید گاہ میں رجم کرنا (عید گاہ کے پاس یا خود عید گاہ میں)

(۶۸۲۰) مجھ سے محمود نے بیان کیا' کہا ہم سے عبدالرزاق نے بیان کیا' کہا ہم کو معمر نے خبر دی' انہیں زہری نے' انہیں ابوسلمہ بن عبدالرحمن نے اور انہیں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے کہ قبیلہ اسلم کے ایک صاحب (ماعز بن مالک) نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور زنا کا اقرار کیا۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیا۔ پھر جب انہوں نے چار مرتبہ اپنے لئے گواہی دی تو آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کیا تم دیوانے ہو گئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ پھر آپ نے پوچھا' کیا تمہارا نکاح ہو چکا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں۔ چنانچہ آپ کے حکم سے انہیں عید گاہ میں رجم کیا گیا۔ جب ان پر پتھر پڑے تو وہ بھاگ پڑے لیکن انہیں پکڑ لیا گیا اور رجم کیا گیا یہاں تک کہ وہ مر گئے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے ان کے حق میں کلمۂ خیر فرمایا اور ان کا جنازہ ادا کیا اور ان کی تعریف کی جس کے وہ مستحق تھے۔

۱۲- باب مَنْ أَصَابَ ذَنْبًا دُونَ الْحَدِّ فَأَخْبَرَ الإِمَامَ

فَلاَ عُقُوبَةَ عَلَيْهِ بَعْدَ التَّوْبَةِ إِذَا جَاءَ مُسْتَفْتِيًا قَالَ عَطَاءٌ : لَمْ يُعَاقِبْهُ النَّبِيُّ ﷺ،

باب جس نے کوئی ایسا گناہ کیا جس پر حد نہیں ہے (مثلاً اجنبی عورت کو بوسہ دیا یا اس سے مساس کیا) اور پھر

اس کی خبر امام کو دی تو اگر اس نے توبہ کر لی اور فتویٰ پوچھنے آیا تو اسے اب توبہ کے بعد کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔ عطاء نے کہا کہ ایسی
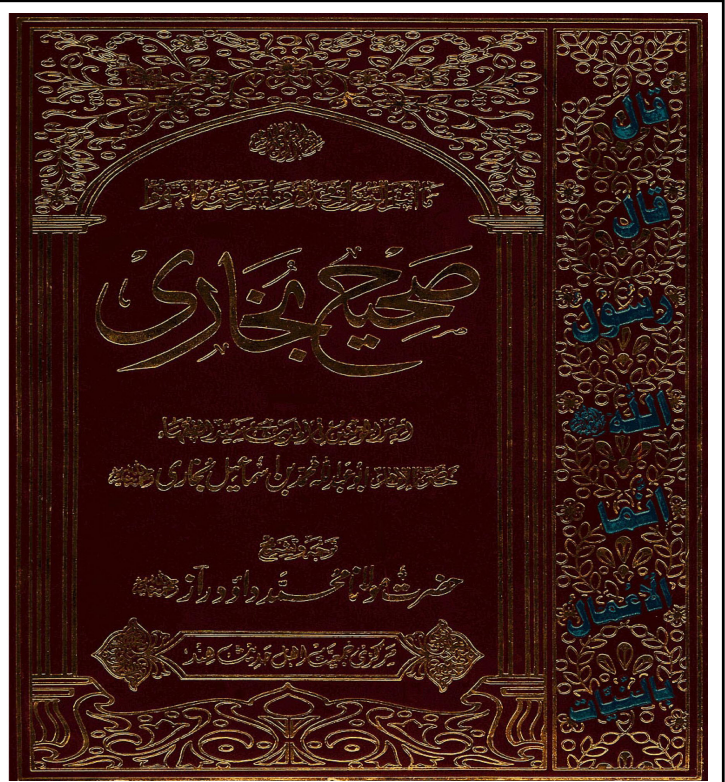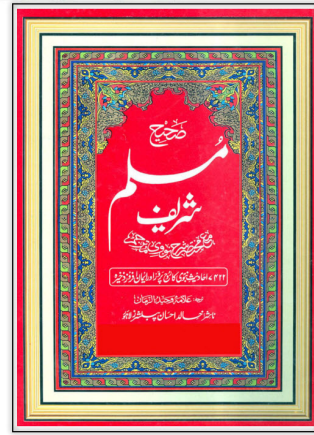
٤٤٣١– عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ جَاءَ مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ طَهِّرْنِي فَقَالَ ((وَيْحَكَ ارْجِعْ فَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ وَتُبْ إِلَيْهِ)) قَالَ فَرَجَعَ غَيْرَ بَعِيدٍ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ طَهِّرْنِي فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ((وَيْحَكَ ارْجِعْ فَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ وَتُبْ إِلَيْهِ)) قَالَ فَرَجَعَ غَيْرَ بَعِيدٍ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ طَهِّرْنِي فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مِثْلَ ذَلِكَ

۴۴۳۱- بریدہؓ سے روایت ہے ماعز بن مالکؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا یارسول اللہ! پاک کیجئے مجھ کو۔ آپ نے فرمایا ارے چل اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگ اور توبہ کر تھوڑی دور وہ لوٹ کر گیا پھر آیا اور کہنے لگا یارسول اللہ پاک کیجئے مجھ کو۔ آپ نے ایسا ہی فرمایا جب چوتھی مرتبہ ہوا تو آپ نے فرمایا میں کاہے سے پاک کروں تجھ کو ماعزؓ نے کہا زنا سے جناب رسول اللہؐ نے (لوگوں سے) پوچھا کیا اس کو جنون ہے؟ معلوم ہوا مجنون نہیں ہے پھر فرمایا کیا اس نے شراب پی ہے؟ ایک شخص کھڑا ہوا

☆ اور شافعیہ کے نزدیک مرد کے لیے نہ کھودیں لیکن عورت کے باب میں تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ سینہ تک گڑھا مستحب ہے تاکہ اس کا ستر نہ کھلے۔ دوسرا نہ مستحب ہے نہ مکروہ بلکہ حاکم کی رائے پر ہے۔ تیسرا یہ کہ گواہی کی صورت میں مستحب ہے اور اقرار کی صورت میں مستحب نہیں تاکہ اس کو بھاگنے کا موقع ملے۔ (نووی مختصراً)

(۴۴۳۱) ☆ نوویؒ نے کہا اس حدیث سے یہ نکلتا ہے کہ حد سے گناہ مٹ جاتا ہے اور یہ صراحتہً موجود ہے عبادہ بن صامت کی روایت میں ہے کہ جس نے ایسا کوئی گناہ کیا پھر دنیا میں اس کو سزا ملی تو وہی کفارہ ہو گیا۔ اور ہم نہیں جانتے کسی کا اختلاف اس میں اور یہ بھی ثابت ہوا ☆

حَتَّى إِذَا كَانَتِ الرَّابِعَةُ قَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ((فِيمَ أُطَهِّرُكَ)) فَقَالَ مِنَ الزِّنَى فَسَأَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ((أَبِهِ جُنُونٌ)) فَأُخْبِرَ أَنَّهُ لَيْسَ بِمَجْنُونٍ فَقَالَ ((أَشَرِبَ خَمْرًا)) فَقَامَ رَجُلٌ فَاسْتَنْكَهَهُ فَلَمْ يَجِدْ مِنْهُ رِيحَ خَمْرٍ قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَزَنَيْتَ فَقَالَ نَعَمْ فَأَمَرَ بِهِ فَرُجِمَ فَكَانَ النَّاسُ فِيهِ فِرْقَتَيْنِ قَائِلٌ يَقُولُ لَقَدْ هَلَكَ لَقَدْ أَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ وَقَائِلٌ يَقُولُ مَا تَوْبَةٌ أَفْضَلَ مِنْ تَوْبَةِ مَاعِزٍ أَنَّهُ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَوَضَعَ يَدَهُ فِي يَدِهِ ثُمَّ قَالَ اقْتُلْنِي بِالْحِجَارَةِ قَالَ فَلَبِثُوا بِذَلِكَ يَوْمَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً ثُمَّ جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَهُمْ جُلُوسٌ فَسَلَّمَ ثُمَّ جَلَسَ فَقَالَ ((اسْتَغْفِرُوا لِمَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ)) قَالَ فَقَالُوا غَفَرَ اللَّهُ لِمَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ((لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ أُمَّةٍ لَوَسِعَتْهُمْ)) قَالَ ثُمَّ جَاءَتْهُ امْرَأَةٌ مِنْ غَامِدٍ مِنَ الْأَزْدِ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ طَهِّرْنِي فَقَالَ ((وَيْحَكِ ارْجِعِي فَاسْتَغْفِرِي اللَّهَ وَتُوبِي إِلَيْهِ)) فَقَالَتْ أَرَاكَ تُرِيدُ أَنْ تُرَدِّدَنِي كَمَا رَدَّدْتَ مَاعِزَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ وَمَا ذَاكِ قَالَتْ إِنَّهَا حُبْلَى مِنَ الزِّنَى فَقَالَ آنْتِ قَالَتْ نَعَمْ فَقَالَ لَهَا ((حَتَّى تَضَعِي مَا فِي بَطْنِكِ)) قَالَ فَكَفَلَهَا رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ حَتَّى وَضَعَتْ قَالَ فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ قَدْ وَضَعَتِ الْغَامِدِيَّةُ فَقَالَ ((إِذًا لَا نَرْجُمُهَا وَنَدَعُ وَلَدَهَا صَغِيرًا لَيْسَ لَهُ مَنْ

اور اس کا منہ سونگھا تو شراب کی بو نہیں پائی پھر آپ نے فرمایا (ماعز سے) کیا تو نے زنا کیا؟ وہ بولا ہاں آپ نے حکم کیا وہ پتھروں سے مارا گیا اب اس کے باب میں لوگ دو فریق ہو گئے ایک تو یہ کہتا ماعزؓ تباہ ہوا گناہ نے اس کو گھیر لیا دوسرا یہ کہتا کہ ماعز کی توبہ سے بہتر کوئی توبہ نہیں وہ جناب رسول اللہؐ کے پاس آیا اور اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں رکھ دیا اور کہنے لگا مجھ کو پتھروں سے مار ڈالیے دو تین دن تک لوگ یہی کہتے رہے بعد اس کے جناب رسول اللہؐ تشریف لائے اور صحابہؓ بیٹھے تھے آپ نے سلام کیا پھر بیٹھے فرمایا دعا مانگو ماعزؓ کے لیے صحابہ نے کہا اللہ بخشے ماعز بن مالکؓ کو۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ماعز نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر وہ توبہ ایک امت کے لوگوں میں بانٹی جائے تو سب کو کافی ہو جائے بعد اس کے آپ کے پاس ایک عورت آئی غامد کی (جو ایک شاخ ہے) ازد کی (ازد ایک قبیلہ ہے مشہور) اور کہنے لگی یارسول اللہ! پاک کر دیجئے مجھ کو۔ آپ نے فرمایا اری چل اور دعا مانگ اللہ سے بخشش کی اور توبہ کر اس کی درگاہ میں عورت نے کہا آپ مجھ کو لوٹانا چاہتے ہیں جیسے ماعز کو لوٹایا تھا آپ نے فرمایا تجھے کیا ہوا؟ وہ بولی میں پیٹ سے ہوں زنا سے آپ نے فرمایا تو خود؟ اس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا اچھا ٹھہر جب تک تو جنے (کیونکہ حاملہ کا رجم نہیں ہو سکتا اور اس پر اجماع ہے اسی طرح کوڑے لگانا یہاں تک کہ وہ جنے) پھر ایک انصاری شخص نے اس کی خبر گیری اپنے ذمہ لی جب وہ جنی تو انصاری جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا غامدیہ جن چکی ہے آپ نے فرمایا ابھی تو ہم اس کو رجم نہیں کریں گے اور اس کے بچے کو بے دودھ

☆ کہ کبیرہ گناہ بھی توبہ سے معاف ہو جاتا ہے۔ اور اس پر اجماع ہے مسلمانوں کا اور قتل میں ابن عباسؓ کا اختلاف ہے۔
سبحان اللہ یہ غامدیہ عورت ہمت اور جرأت میں مردوں سے زیادہ تھی۔ اللہ تعالیٰ اس کو بخشے۔

٤٤١٩– حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الأَنْبَارِيُّ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عن هِشَامِ بنِ سَعْدٍ قال: حدَّثني يَزِيدُ بْنُ نُعَيْمِ بنِ هَزَّالٍ عن أَبِيهِ قال: كَانَ مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ يَتِيمًا في حِجْرِ أَبِي فأَصَابَ جَارِيَةً مِنَ الْحَيِّ، فقالَ لَهُ أَبِي: ائْتِ رَسُولَ الله ﷺ فأَخْبِرْهُ بِمَا صَنَعْتَ، لَعَلَّهُ يَسْتَغْفِرُ لَكَ، وَإِنَّمَا يُرِيدُ بِذٰلِكَ رَجَاءَ أَنْ يَكُونَ لَهُ مَخْرَجًا، قال: فأَتَاهُ فقالَ: يَا رَسُولَ الله! إنِّي زَنَيْتُ فأَقِمْ عَلَيَّ كِتَابَ الله، فأَعْرَضَ عَنْهُ، فَعَادَ فقالَ: يَا رَسُولَ الله! إنِّي زَنَيْتُ فأَقِمْ عَلَيَّ كِتَابَ الله، فأَعْرَضَ عَنْهُ، فعادَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ الله! إني زَنَيْتُ فَأَقِمْ عليَّ كتابَ الله، حَتَّى قالهَا أَرْبَعَ مَرَّاتٍ، فقالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إنَّكَ قَدْ قُلْتَهَا أَرْبَعَ مَرَّاتٍ فَبِمَنْ؟» قال: بِفُلَانَةَ. قال: «هَلْ ضَاجَعْتَهَا؟» قال: نَعَمْ. قال: «هَلْ بَاشَرْتَهَا؟» قال: نَعَمْ. قال: «هَلْ جَامَعْتَهَا؟» قال: نَعَمْ. قال: فأَمَرَ بِهِ أَنْ يُرْجَمَ، فأُخْرِجَ بِهِ إلَى الْحَرَّةِ، فَلَمَّا رُجِمَ فَوَجَدَ مَسَّ الحِجَارَةِ فَجَزَعَ فَخَرَجَ يَشْتَدُّ فَلَقِيَهُ عَبْدُ الله بنُ أُنَيْسٍ وَقَدْ عَجَزَ أَصْحَابُهُ، فنَزَعَ لَهُ بِوَظِيفِ بَعِيرٍ فَرَمَاهُ بِهِ فَقَتَلَهُ، ثُمَّ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرَ لَهُ ذٰلِكَ فقال: «هَلَّا تَرَكْتُمُوهُ، لَعَلَّهُ أَنْ يَتُوبَ

۴۴۱۹- جناب یزید بن نُعیم بن ہزّال اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ماعز بن مالک یتیم لڑکا تھا اور میرے والد کی سرپرستی میں تھا۔ پھر وہ قبیلے کی ایک لڑکی کے ساتھ زنا کر بیٹھا۔ تو میرے والد نے اس سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ اور جو کچھ تم نے کیا ہے اس کی انہیں خبر دو' شاید وہ تیرے لیے استغفار کریں۔ اور اس سے ان کا مقصد صرف یہی امید تھی کہ اسے کوئی راہ مل جائے۔ چنانچہ وہ حاضر ہوا اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے زنا کیا ہے' لہٰذا اللہ کی کتاب کا حکم مجھ پر نافذ فرما دیجیے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے رخ پھیر لیا۔ اس نے پھر کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے زنا کیا ہے مجھ پر اللہ کی کتاب کا حکم نافذ فرما دیجیے۔ آپ نے اس سے رخ پھیر لیا۔ تو اس نے (تیسری بار) پھر کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے زنا کیا ہے۔ مجھ پر اللہ کی کتاب کا حکم نافذ کر دیجیے۔ حتیٰ کہ اس نے چار بار اس طرح کہا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''تو نے چار بار یہ بات کہی ہے' تو نے کس کے ساتھ کیا ہے؟'' کہا: فلاں لڑکی کے ساتھ۔ آپ نے پوچھا: ''تو اس کے ساتھ اکٹھے لیٹا ہے؟'' کہا: ہاں۔ آپ نے پوچھا: ''تو اس کے ساتھ چمٹا ہے؟'' کہا: ہاں۔ آپ نے پوچھا: ''تو نے اس کے ساتھ جماع کیا ہے؟'' کہا: ہاں۔ چنانچہ آپ نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس کو حرہ کی طرف لے جایا گیا۔ جب اسے پتھر مارے گئے اور اس نے پتھروں کی چوٹ محسوس کی تو برداشت نہ کر پایا اور بھاگ کھڑا

٤٤١٩ـ تخريج: [إسناده حسن] تقدم، ح: ٤٣٧٧، أخرجه أحمد: ٥/ ٢١٧ عن وكيع به.

فَيَتُوبَ اللهُ عَلَيْهِ».

ہوا۔ تو حضرت عبداللہ بن انیس نے اس کو پا لیا' جبکہ دیگر ساتھی تھک گئے تھے۔ تو عبداللہ نے اس کو اونٹ کا پایا نکال مارا اور اسے قتل کر دیا' پھر نبی ﷺ کے پاس آ کر یہ سب بیان کیا تو آپ نے فرمایا: ''تم نے اس کو چھوڑ کیوں نہ دیا' شاید وہ توبہ کر لیتا اور اللہ اس کی توبہ قبول فرما لیتا۔''

فوائد و مسائل: ① حضرت ماعز بن مالک اسلمی ؓ مشہور صحابی ہیں۔ شیطان کے اغوا سے زنا کر بیٹھے تھے' انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اقرار کیا اور دنیا کی سزا قبول کی۔ اللہ ان سے راضی ہو۔ کسی بھی صاحب ایمان کو کسی طرح روا نہیں کہ اب ان کے بارے میں کوئی نامناسب بات کہے یا دل میں رکھے۔ ② ''تم نے اس کو چھوڑ کیوں نہ دیا۔'' اس جملے کا صحیح مفہوم درج ذیل حدیث میں آ رہا ہے' یعنی اس میں اس کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لانے کی بات تھی کہ آپ اسے یہ سزا بھگت لینے کی تلقین فرماتے کہ یہ سزا آخرت کے عذاب کے مقابلے میں بہت ہلکی اور آسان ہے۔
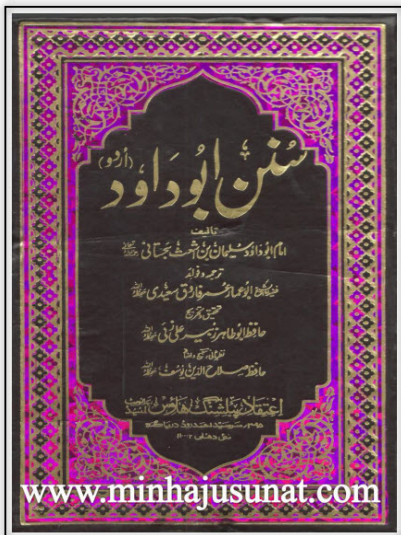
روایات کا تعارض اور غامدی مؤقف

جاوید غامدی کا کہنا ہے کہ اگر حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی بابت انکے کردار کی نفی نہیں کی جائے گی تو پھر روایات میں تعارض ماننا پڑے گا۔

غامدی یہ کہ کر احادیث کو اور حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے واقعہ کو مشکوک بنانا چاہتا ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ غامدی ایک صحابی رسول کے معاملے میں منفی پہلو کو ہی دیکھ رہا ہے؟ اتنی منفی سوچ وہ بھی ایک صحابی کے لیے آخر کیوں؟

آیئے اب ہم روایات کے تعارض کی بابت بھی کچھ عرض کر دیتے ہیں۔

1: امر واقعہ یہ ہے کہ اس تمام قصہ میں کوئی اتنا اہم تعارض نہیں پایا جاتا۔

2: اگر واقعی ان میں کوئی ایسا تعارض پایا بھی جاتا ہو تو دیکھنا چاہیے کہ کیا سلف صالحین ومحدثین، شارحین حدیث اور 1400 سال کے مفسرین وفقہاء کرام وعلماء امت نے ان روایات سے جو نتائج اخذ کیے ہیں تو کیا ان سب نتائج تک غامدی کا ذہن پہنچا؟ اگر ان میں سے کسی نے بھی ایسا نہیں کہا اور یقیناً ایسا نہیں کہا تو پھر ہم غامدی کی عقل پر ماتم ہی کر سکتے ہیں صرف۔

3: اصول حدیث کی تمام کتب میں یہ قائدہ مسلمہ لکھا ہوا ہے کہ اگر ایک ہی واقعہ یا مسئلہ کے متعلق روایات میں بظاہر اختلاف نظر آئے تو جہاں تک ممکن ہو ان میں تطبیق وتوفیق کی صورت پیدا کی جائے جہاں ایسا کرنا ممکن نہ ہو وہاں ترجیح یا نسخ کا سوال پیدا ہوتا ہے۔

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ سے متعلق واقعہ کی تفصیلات میں جہاں تھوڑا بہت تعارض نظر آتا ہے وہاں بھی محدثین حضرات نے اسی قانون سے کام لیا ہے۔ جیسا کہ ہم آگے نقل کریں گے۔ لیکن غامدی نے ان اکابر امت کی تصریحات کو یکسر نظر انداز کر کے کام لیا ہے۔

قارئین کرام! حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے متعلق تمام تر تفصیلات ہم نے آپ کے سامنے مکمل طور پر بیان کردی ہیں اور غامدی کا بغض بھی واضح کردیا ہے۔

مزید اس کے علاوہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ سے اللہ کے نبی شفیع اعظم حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بے پناہ محبت بھی بیان کردی ہے جسکا ذکر احادیث میں ملتا ہے۔

جیسا کہ........آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ ادا فرمانا اور لوگوں کو انکے حق میں دعا اور اچھے کلمات سے یاد کرنے کی تلقین فرمانا اور جو انہیں برے لفظوں میں یاد کرے ان سے ناراض ہونا.......حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو رجم کرتے وقت انکی درد بھری آہ بکار کی بات سن کر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا یہ فرمانا کہ تم نے اسے چھوڑ کیوں نہیں دیا؟......پھر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا حضرت ماعز رضی اللہ عنہ سے اتنے سوالات پوچھنا کہ شاید انکو اپنے عمل میں کوئی شک پیدا ہو جائے کیونکہ جب شک پیدا ہو جائے تو حد کا حکم ساقط ہو جاتا ہے......حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی توبہ ایسی توبہ تھی کہ اگر اسے اس امت پر بھی تقسیم کیا جائے تو اسکی بخشش ہو جائے۔

? یہاں پر یہ بات بھی یاد رکھیے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کوئی معصوم نہیں تھے......بشریت کے تقاضے ان کے ساتھ تھے۔اگر کسی سے کوئی گناہ سرزد ہو بھی جاتا تو اسے دنیا میں ہی سزا مل جاتی جس سے آخرت میں انہیں جنت کی بشارت مل جاتی۔پھر صحابہ کرام کا یہ بھی ایک احسان ہے کہ انکی بدولت ہمیں شریعت کے احکامات پر عمل کرنے کا طریقہ بھی معلوم ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت ہمارے دل و جان میں مرتے دم تک قائم رکھے آمین ثم آمین۔

☆☆☆☆☆☆

شرائطِ اجتہاد اور جاوید احمد غامدی

قارئین کرام! غامدی صاحب اپنی کتاب مقامات کے صفحہ 154 پر اجتہاد کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔۔۔

"یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ اجتہاد کے کوئی شرائط نہیں ہیں۔لوگوں کو اجتہاد کرنا چاہیے۔اُن میں سے ایک غلطی کرے گا تو دوسرے کی تنقید اُسے درست کر دے گی"۔

(مقامات طبع سوم جولائی 2014 صفحہ 154)

دین و دانش

ہے۔ اس کا دروازہ کبھی بند نہیں ہو سکتا اور حقیقت یہ ہے کہ کبھی بند ہوا بھی نہیں۔ بعض لوگوں کی طرف سے اس اصرار کے باوجود کہ یہ چوتھی صدی ہجری کے بعد بند ہو چکا ہے، ایسے علما، فقہا اور مختلف علوم و فنون کے ماہرین ہمیشہ پیدا ہوتے رہے ہیں جنھوں نے ہر زمانے میں اجتہاد کیا ہے اور اس وقت بھی کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم و عقل سے نوازا ہے۔ یہ نعمت انسان کو اسی لیے دی گئی ہے کہ اپنے معاملات کا فیصلہ ان کی رہنمائی میں کرے۔ یہ معاملات غیر متعین بھی ہیں اور گوناگوں بھی۔ انسان اندھا اور بہرا نہیں ہے کہ ہر جگہ براہ راست آسمان کی رہنمائی کا محتاج ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت صرف اُن معاملات میں نازل فرمائی ہے جن میں خود علم و عقل کو رہنمائی کی ضرورت ہے۔ اُس کے احکام بھی اسی لیے نہایت محدود ہیں۔ چنانچہ ضروری ہے کہ اجتہاد کیا جائے۔ ترقی کا راز اسی اجتہاد میں پوشیدہ ہے۔ اس کے بغیر زندگی آگے نہیں بڑھ سکتی۔ مسلمانوں کے زوال کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ قومی حیثیت سے وہ طبعی علوم میں سائنسی تحقیق اور معاشرتی علوم میں اجتہاد کی صلاحیت کھو بیٹھے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ اجتہاد کے کوئی شرائط نہیں ہیں۔ لوگوں کو اجتہاد کرنا چاہیے۔ اُن میں سے ایک غلطی کرے گا تو دوسرے کی تنقید اُسے درست کر دے گی۔ انسان اسی سے آگے بڑھتا ہے اور اعلیٰ درجے کے مجتہدین بھی اسی عمل کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ تقلید کے اصول کو تسلیم کر لیا جائے تو وہ تمام

مقامات ۱۵۴

غامدی صاحب کا یہ دعویٰ کتنا درست ہے اس سے پہلے ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ اجتہاد کہتے کسے ہیں اور یہ کیسے کیا جاتا ہے۔

"لغوی اعتبار سے اجتہاد کا مطلب کسی کام کی انجام دہی کے لیے تکلیف و مشقت اٹھاتے ہوئے اپنی پوری کوشش صرف کرنا ہوتا ہے جبکہ

شرعی اصطلاح میں۔۔۔۔۔"اگر کوئی مسئلہ ہمیں قرآن مجید میں نہ ملے تو اسے احادیث مبارکہ میں تلاش کیا جاتا ہے اور اگر اس مسئلہ میں امت مسلمہ کا اجماع بھی نہ ہو تو پھر ایسی صورت حال میں مجتہدین اجتہاد کر کے اس مسئلہ کا حل تلاش کرتے ہیں"۔

اجتہاد اور قیاس شریعت اسلامیہ کی چوتھی دلیل ہے۔

(۱) قرآن

(۲) حدیث

(۳) اجماع امت

(۴) قیاس واجتہاد

کیا اجتہاد کی کوئی شرائط بھی ہیں یا پھر ہر شخص اجتہاد کر سکتا ہے؟ جیسا کہ غامدی صاحب کا کہنا ہے!

چونکہ غامدی صاحب اسلامی عقائد ونظریات کو عقل سلیم کے مطابق دیکھتے ہیں لہٰذا ہم بھی عقل سلیم کی روشنی میں ہی اجتہاد کی شرائط بیان کریں گے۔

عقل کی رو سے اجتہاد کی شرائط

(۱) قرآن مجید کے علوم کا ماہر ہو

مجتہد کو اجتہاد کرنے کے لیے قرآن مجید کے علوم کا ماہر ہونا اور قرآن مجید کو اسکی زبان میں سمجھ سکتا ہو کیونکہ اگر اسے قرآن مجید کے علوم کا علم ہی نہیں ہو گا تو اسے یہ کیسے پتا چلے گا کہ فلاں مسئلہ قرآن مجید میں آچکا ہے یا نہیں؟

(۲) احادیث شریفہ اور ان کے اصول کا مکمل علم ہو

مجتہد کو اجتہاد کرنے کے لیے احادیث شریفہ کا مکمل علم ہو۔صحیح وضعیف اور موضوع حدیث کو سمجھتا اور پہچانتا ہو تا کہ اسے معلوم ہو کہ فلاں حدیث صحیح ہے تو اس سے اجتہاد واستنباط ہو سکتا ہے اور فلاں حدیث موضوع ہے لہٰذا اس سے اجتہاد واستنباط نہیں ہو سکتا۔مجتہد کو حدیث کا علم ہو گا تو ہی وہ جان سکے گا کہ فلاں مسئلہ کا حل احادیث مبارکہ میں موجود ہے لہٰذا اس پر اجتہاد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۳) اجماعی مسائل کا علم ہو

مجتہد کو اجتہاد کرنے کے لیے اجماعی مسائل کا علم ہو کہ کن مسائل میں امت مسلمہ کا اجماع ہو چکا ہے کیونکہ جس مسئلہ میں اجماع ہو چکا ہو اس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہوتی ہے۔

(۴) قیاس واستنباط کرنے کا علم ہو

مجتہد کو اجتہاد کرنے کے لیے قیاس واستنباط کیسے کیا جاتا ہے۔ اسکے لیے اسے بنیادی شرط کا بھی علم ہونا ضروری ہے جسکا طریقہ یہ ہے کہ جو مسئلہ مجتہد کو درپیش ہے۔۔اس مسئلہ کی مشابہت قرآن مجیداوراحادیث شریفہ کے کن مسائل کے ساتھ ہے۔کونسی وہ چیزیں ہیں کہ جو اس مسئلہ میں اور قرآن وحدیث میں قریباً ملتی ہیں۔اس مشابہت اور مناسبت کو دیکھ کر مجتہد کو قیاس کرنے کا علم ہو گا تب ہی وہ قیاس واستنباط کر سکے گا ورنہ نہیں۔

(۵) ناسخ ومنسوخ کا علم ہو

مجتہد کو اجتہاد کرنے کے لیے ناسخ ومنسوخ مسائل کے علم کا ہونا اس معاملے میں طے شدہ ہے۔جیسا کہ ابتدائی دور میں نماز میں گفتگو کرنا جائز تھا لیکن بعد میں یہ عمل منسوخ کر دیا گیا۔اب مجتہد کو یہ علم ہونا چاہیے کہ کونسے مسائل منسوخ ہیں اور کن دلائل کی وجہ سے وہ مسائل منسوخ ہوئے۔اب اگر مجتہد کو ناسخ منسوخ کا علم ہی نہیں ہو گا تو عین ممکن ہے کہ وہ کسی منسوخ مسئلہ کے مطابق مسئلے کا حل نکال کر فیصلہ کر بیٹھے جو کہ غلط ہو گا لہٰذا اسی وجہ سے مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ اسے ناسخ ومنسوخ مسائل کا بھی ضروری علم ہو۔

(۶) عربی زبان کا ماہر ہو

مجتہد کو اجتہاد کرنے کے لیے عربی زبان پر مکمل عبور حاصل ہونا چاہیے اور یہ عقلی ومنطقی بات ہے کیونکہ اگر وہ عربی زبان سے ہی واقف نہیں ہو گا تو وہ قرآن وحدیث کو جو کہ عربی زبان میں ہیں انہیں کیسے سمجھے گا؟

قارئین کرام! اب آپ کو بخوبی اس بات کا علم ہو گیا ہو گا کہ ایک مجتہد کو، قرآن مجید، احادیث مبارکہ، اجماعی مسائل، قیاس و استنباط کرنے کا طریقہ، ناسخ و منسوخ اور عربی زبان کا مکمل علم ہو گا تب ہی ایک مجتہد یہ جان سکے گا کہ کوئی بھی مسئلہ منصوص ہے یا غیر منصوص۔ اسی سے مجتہد کو علم ہو گا کہ اسے اجتہاد کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں ہے۔ اب اگر مجتہد کو ان تمام شرائط میں سے کسی ایک شرط کا بھی علم نہ ہو تو وہ کیسے اجتہاد کرے گا؟ اور اگر وہ ان شرائط کی لاعلمی کی وجہ سے اجتہاد کرتا بھی ہے تو وہ غلط فیصلہ کرے گا جو کہ دین و دنیا دونوں کے لیے نقصان دہ ہو گا۔

آپ کو تعجب ہو گا کہ غامدی صاحب کے نزدیک اجتہاد کی کوئی شرائط نہیں ہیں جیسا کہ اوپر بیان بھی کیا جا چکا ہے۔ بلکہ غامدی صاحب تو لوگوں کو اجتہاد کرنے کا بھی مشورہ دے رہے ہیں۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ جس شخص کو قرآن و حدیث اور دیگر امور کا علم ہی نہیں ہو گا تو وہ کیسے اجتہاد کرے گا؟؟؟

شاید غامدی صاحب خود ان شرائط پر پورا نہیں اترتے جس کی وجہ سے انہوں نے ان شرائط کا بلکل ہی انکار کر دیا اور ہر کسی کے لیے اجتہاد کا دروازہ کھول کر رکھ دیا۔

☆ نوٹ:- اوپر بیان کردہ تمام شرائط ہم نے اپنی طرف سے بیان نہیں کی بلکہ امت مسلمہ کے عظیم آئمہ اور ماہرین اصول فقہ کے اقوال سے پیش کی ہیں یہاں پر صرف اختصار کی وجہ سے ان اقوال کو پیش نہیں کیا گیا البتہ طلب کرنے پر ان تمام کے حوالہ جات دیے جا سکتے ہیں۔
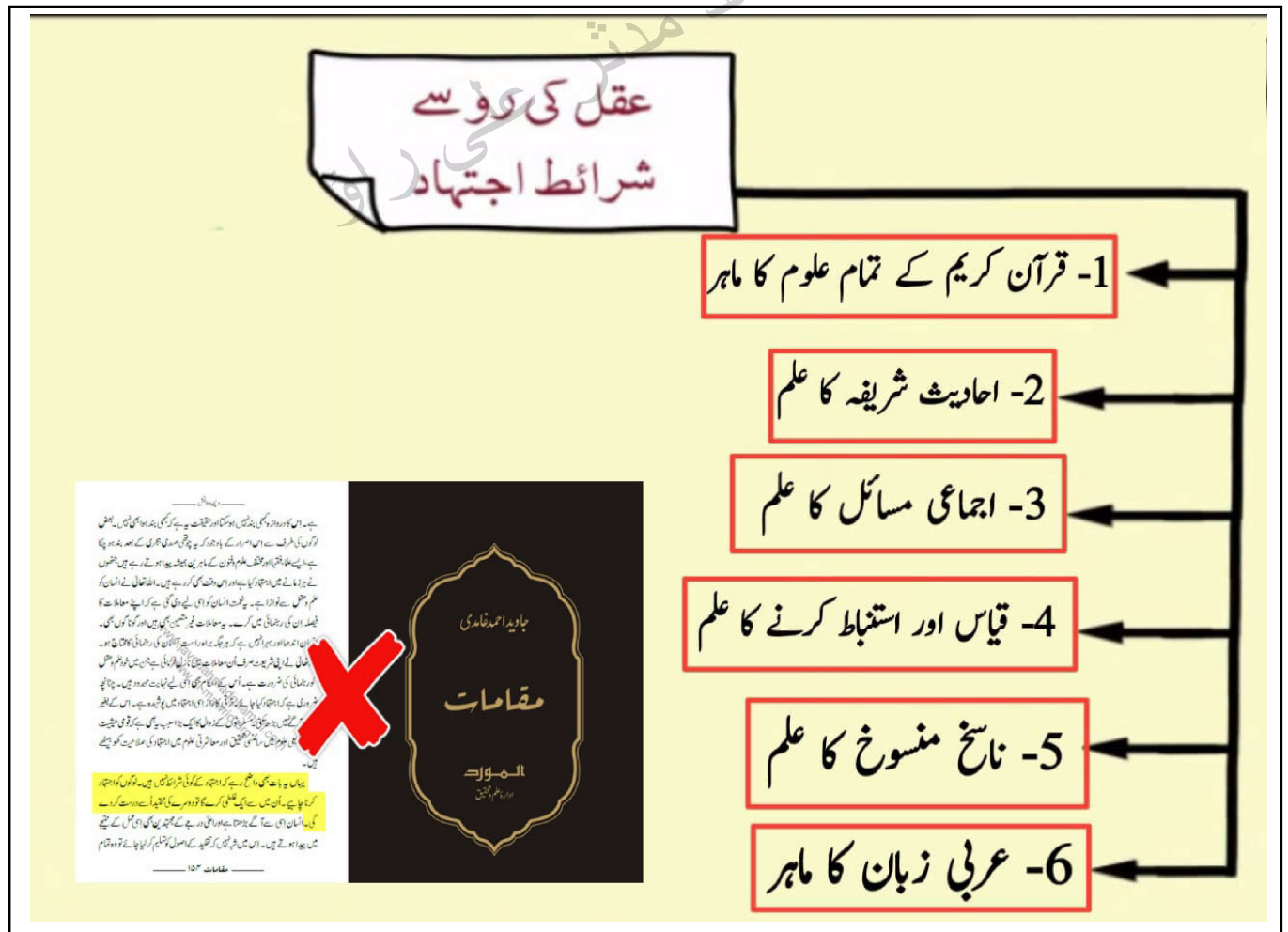
اجماع کی بابت تفاسیر کی امہات کتب اور غامدی مؤقف

قارئین کرام! اسلامی شریعت کے دلائل میں اور اس کے ماخذ کی حیثیت سے قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کے بعد تیسرا درجہ اجماع امت کا ہے۔ امت کے مجتہدین اگر کسی ایک مسئلہ پر اتفاق کرلیں تو اسے اجماع کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں اسکی دلیل سورۃ النسآء کی آیت نمبر 115 ہے، ملاحظہ فرمائیں:

"وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا"۔ (النسآء: 115)

ترجمہ: اور جو شخص اپنے سامنے ہدایت کے واضح ہونے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے اور وہ مومنوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے، ہم اسے اسی طرف لے جائیں گے جس طرح وہ خود گیا ہے، اور ہم اسے جہنم میں ڈالیں گے۔ اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

قارئین کرام! حضرات مفسرین، حضرات محدثین اور حضرات فقہاء امت نے اجماع امت کے حجت ہونے پر اسی آیت مبارکہ کو بنیاد بنایا ہے لیکن ۔۔۔۔۔۔ غامدی صاحب چونکہ اجماع امت کو ذہنی طور پر تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں اس لیے وہ اپنی کتاب مقامات کے صفحہ 157 پر اجماع کو بدعت اور ساتھ حوالہ نقل کرتے ہوئے اسے ایک بے بنیاد نظریہ قرار دیتے ہیں۔

(ملاحظہ فرمائیں مقامات طبع سوم جولائی 2014 صفحہ 157)

1

دین و دانش

شریعت کا ایک مصدر یہ اجماع بھی ہے۔

دین کے ماخذ میں یہ اضافہ یقیناً ایک بدعت ہے۔ قرآن و سنت کے نصوص میں اس کے لیے کوئی بنیاد تلاش نہیں کی جاسکتی۔ اِس کے اثرات کا جائزہ لیجیے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اِس سے اسلامی شریعت کی ابدیت مجروح ہوئی اور دورِ جدید کی نسبت سے اِس کا تعلق (relevance) ثابت کرنا مشکل ہوگیا ہے۔ برصغیر کے جلیل القدر عالم اور داعی مولانا وحید الدین خان لکھتے ہیں:

"عام طور پر فقہا نے اجماع (consensus) کو شریعت کا ایک مستقل مصدر قرار دیا ہے، مگر یہ یقینی طور پر ایک بے بنیاد نظریہ ہے۔ شریعت کا مستقل مصدر صرف کوئی نص قطعی ہوسکتا ہے۔ نص قطعی کی غیر موجودگی میں کسی چیز کو شریعت کا مستقل مصدر قرار دینا یقینی طور پر ایک بے بنیاد بات ہے۔ اجماع کی بلاشبہ ایک اہمیت ہے، لیکن وہ اہمیت صرف یہ ہے کہ کسی خاص موقع پر اجماع کسی پیش آمدہ مسئلے کا ایک عملی حل ہوتا ہے۔ یہ حل یقینی طور پر ایک وقتی حل ہوتا ہے، نہ کہ شریعت کا ابدی مصدر۔" (الرسالہ ۷/۲۰۱۱ء)

فقہا جن دلائل سے اجماع کی حجیت ثابت کرتے ہیں، اُن کی حقیقت اگر کوئی شخص سمجھنا چاہے تو اُسے امام شوکانی کی "ارشاد الفحول" دیکھنی چاہیے۔ اِس پر واضح ہو جائے گا کہ یہ کس قدر بے معنی اور غیر متعلق ہیں۔ قرآن مجید کی ایک آیت اور ایک حدیث، البتہ ایسی ہے جس سے استدلال بعض لوگوں کے لیے باعث تردد ہوسکتا

مقامات ۱۵۷

جاوید احمد غامدی

مقامات

المورد

ادارۂ علم و تحقیق

مزید غامدی صاحب ان حضرات مفسرین کی اجماع امت کے حجت ہونے سے متعلق سورۃ النسآء کی آیت 115 کی دلیل کو اپنی کتاب مقامات کے صفحہ 158 پر اس کو بھی بے بنیاد قرار دیتے ہیں۔

(ملاحظہ فرمائیں مقامات طبع سوم جولائی 2014 صفحہ 158)

دین و دانش

ہے۔ اُس کی حقیقت ہم یہاں واضح کیے دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ، نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا. (النساء ۴:۱۱۵)

"اور جو راہ ہدایت کے پوری طرح اپنے اوپر واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کریں گے اور اُن لوگوں کے راستے کو چھوڑ کر کوئی اور راستہ اختیار کریں گے جو (تم پر) سچے دل سے ایمان لائے ہیں، انھیں ہم اسی راستے پر ڈال دیں گے جس پر وہ خود گئے ہیں اور دوزخ میں جھونکیں گے۔ وہ نہایت برا ٹھکانا ہے۔"

فقہا کے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ ایمان والوں کا راستہ چھوڑ کر کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا جائے تو آیت میں اُس پر جہنم کی وعید ہے۔ اِس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اُن کے راستے کی پیروی ہر شخص پر لازم ہے۔ لہٰذا مسلمان اگر کسی راے یا نقطۂ نظر پر متفق ہو جائیں تو اُس سے اختلاف نہیں ہو سکتا۔ ہر صاحب ایمان پر واجب ہے کہ اُن کے اِس اجماع کی پیروی کرے۔

یہ استدلال کس قدر بے بنیاد ہے، اِس کو سمجھنے کے لیے آیت کو اُس کے سیاق میں

مقامات ۱۵۸
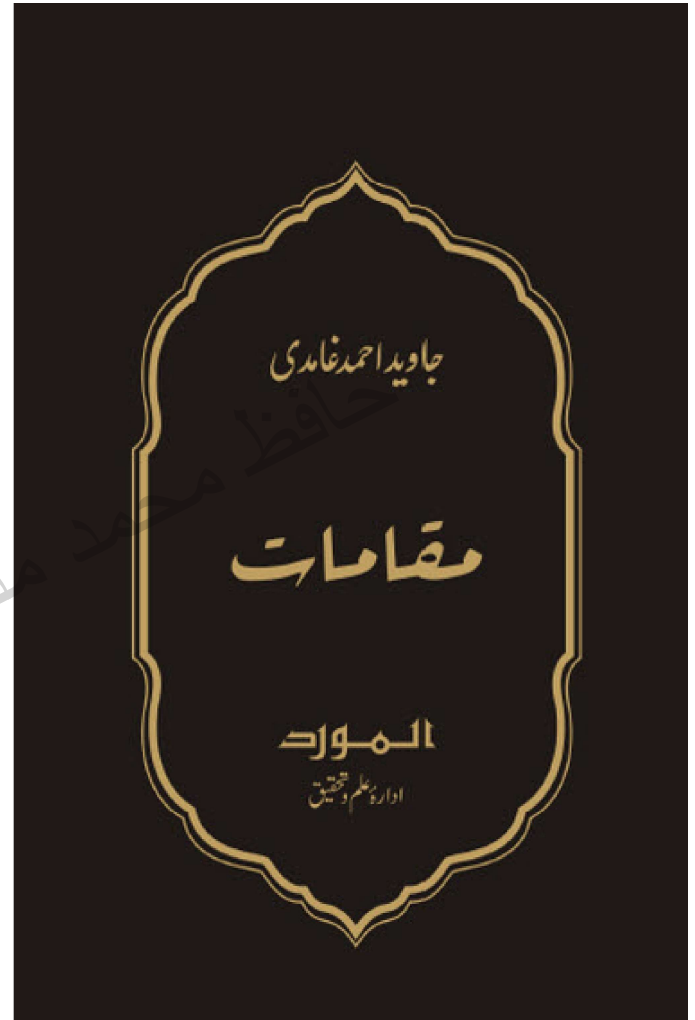
لیکن غامدی صاحب اپنی کتاب میزان کے صفحہ 56 اور 57 پر قرآن کے طالب علموں کو نصیحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔۔۔"چنانچہ قرآن کے طالب علموں کو چاہیے کہ وہ قرآن کو سمجھتے، سمجھاتے اور اس کی کسی آیت کے بارے میں کوئی رائے قائم کرتے وقت کم سے کم تفسیر کی امہات کتب پر ایک نظر ضرور ڈال لیں"۔(پھر اس کے ایک سطر بعد)

مزید غامدی صاحب ان تفسیر کی امہات کتب کے نام بیان کرتے ہیں ہے جو کہ۔۔۔"ابن جریر کی تفسیر، رازی کی تفسیر، اور زمخشری کی تفسیر الکشاف ہے"۔ سلف کے اقوال سب ابن جریر میں جمع ہیں۔ علم کہ قیل وقال رازی کی تفسیر کبیر میں مل جاتی ہے۔ نحو و اعراب کے

مسائل "الکشاف" میں دیکھ لیے جاسکتے ہیں۔ یہی تفسیریں ہیں جنہیں اس فن کی امہات کہا جاسکتا ہے"۔

(ملاحظہ فرمائیں میزان طبع پنجم دسمبر 2009 صفحہ 56 اور 57)

اصول و مبادی

دوسری یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی نسبت سے جو باتیں احادیث و آثار کی کتابوں میں نقل ہوئی ہیں، انھیں پوری اہمیت دی جائے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اُن میں رطب و یابس، ہر طرح کی چیزیں شامل ہو گئی ہیں اور روایت بالمعنی نے بھی باتوں کو کچھ سے کچھ بنا دیا ہے، لیکن اہل نظر جانتے ہیں کہ جہاں خزف ہیں، وہاں جواہر ریزوں کی بھی کمی نہیں ہے۔ اس معاملے میں صحیح رویہ کیا ہونا چاہیے؟ استاذ امام نے اسے اپنے مقدمۂ تفسیر میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

"تفسیر کے ظنی ماخذوں میں سے سب سے اشرف اور سب سے زیادہ پاکیزہ چیز ذخیرۂ احادیث و آثار ہے۔ اگر ان کی صحت کی طرف سے پورا پورا اطمینان ہوتا تو تفسیر میں ان کی وہی اہمیت ہوتی جو اہمیت سنت متواترہ کی بیان ہوئی۔ لیکن ان کی صحت پر اس طرح کا اطمینان چونکہ نہیں کیا جا سکتا، اس وجہ سے ان سے اسی حد تک فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے جس حد تک یہ ان قطعی اصولوں سے موافق ہوں جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔ جو لوگ احادیث و آثار کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ ان کو خود قرآن پر بھی حاکم بنا دیتے ہیں، وہ نہ تو قرآن کا درجہ پہچانتے ہیں نہ حدیث کا۔ برعکس اس کے جو لوگ احادیث و آثار کو سرے سے حجت ہی نہیں مانتے، وہ اپنے آپ کو اس روشنی ہی سے محروم کر لیتے ہیں جو قرآن کے بعد سب سے زیادہ قیمتی روشنی ہے۔ میں احادیث کو تمام تر قرآن ہی سے ماخوذ و مستنبط سمجھتا ہوں، اس وجہ سے میں نے صرف انھی احادیث تک استفادے کو محدود نہیں رکھا ہے جو قرآن کی کسی آیت کے تعلق کی صراحت کے ساتھ وارد ہوئی ہیں، بلکہ پورے ذخیرۂ احادیث سے اپنے امکان کی حد تک فائدہ اٹھایا ہے۔ خاص طور پر حکمت قرآن کے مسائل میں جو مدد مجھے احادیث سے ملی ہے، وہ کسی بھی دوسری چیز سے نہیں ملی۔ اگر کوئی حدیث مجھے ایسی ملی ہے جو قرآن سے متصادم نظر آئی ہے تو میں نے اس پر ایک عرصے تک توقف کیا ہے اور اسی صورت میں اس کو چھوڑا ہے جب مجھ پر یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی ہے کہ اس حدیث کو ماننے سے یا تو قرآن کی مخالفت لازم آتی ہے یا اس کی زد دین کے کسی اصول پر پڑتی ہے۔ جہاں تک صحیح احادیث کا تعلق ہے، اس کی نوبت بہت کم آئی ہے کہ ان کی موافقت قرآن سے ہو ہی نہ سکے، لیکن اگر کہیں ایسی صورت پیش آئی ہے تو وہاں میں نے بہرحال قرآن مجید کو ترجیح دی ہے اور اپنے وجوہ ترجیح تفصیل کے ساتھ بیان کر دیے ہیں۔" (تدبر قرآن ۱/۳۰)

تیسری یہ کہ علما و محققین نے قرآن کی شرح و تفسیر میں جو کچھ کیا اور جو کچھ لکھا ہے، اُسے بھی ہمیشہ پیش نظر رکھا جائے۔ علم و فن اپنے پیش رووں کی تحقیقات اور فکر و نظر سے استفادہ کر کے ہی آگے بڑھتے ہیں۔ انھیں نظر انداز کر کے کبھی ترقی کے منازل طے نہیں کر سکتے۔ صحیح علم تمرد اور سرکشی سے نہیں، بلکہ تواضع اور حق کی سچی محبت سے حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن کے طالب علموں کو بھی چاہیے کہ وہ قرآن کو سمجھتے، سمجھاتے اور اس کی کسی آیت کے بارے میں کوئی رائے قائم کرتے وقت کم سے کم تفسیر کی امہات کتب پر ایک نظر ضرور ڈال لیں۔ مدرسۂ فراہی کے ائمۂ تفسیر نے جو کام اس زمانے میں قرآن پر کیا ہے، اُس سے پہلے یہ حیثیت تین تفسیروں کو حاصل تھی: ابن جریر کی تفسیر، رازی کی تفسیر اور زمخشری کی "الکشاف"۔

میزان ۵۶

اصول و مبادی

سلف کے اقوال سب ابن جریر میں جمع ہیں۔ علم کلام کی قیل و قال رازی کی تفسیر کبیر میں مل جاتی ہے۔ نحو و اعراب کے مسائل "الکشاف" میں دیکھ لیے جا سکتے ہیں۔ یہی تفسیریں ہیں جنھیں اس فن کی امہات کہا جا سکتا ہے۔ قرآن کے طلبہ کو بات تو وہی لینی چاہیے جسے قرآن کے الفاظ اور اس کا نظم قبول کرے، لیکن اپنے ان بزرگوں کے کام سے صرف نظر کسی حال میں بھی نہیں کرنا چاہیے۔

میزان ۵۷

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ غامدی صاحب نے خود اپنی کتاب میزان کے صفحہ 56 پر ابن جریر، امام رازی اور امام زمخشری کی تفاسیر کو امہات تفاسیر میں شمار کیا ہے۔ اب ہم آپ کے سامنے ان تفاسیر کی امہات کتب میں اجماع کی اس دلیل جو سورۃ النسآء کی آیت 115 میں موجود ہے اسکے بارے میں مفسرین حضرات کیا فرماتے ہیں وہ پیش کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

(ا): امام رازی رحمہ اللہ اسی آیت کے ذیل میں اپنی تفسیر "مفاتیح الغیب" میں لکھتے ہیں کہ "امام شافعی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا قرآن مجید میں اجماع کے حجت ہونے پر کوئی دلیل ہے تو انہوں نے سورۃ النسآء کی آیت 115 کو بطور دلیل کے پیش کیا" (مزید امام رازی اس استدلال کو بیان فرماتے ہیں)

کہ مسلمانوں کے راستہ کے علاوہ کسی اور راستہ کی پیروی کو اس آیت مبارکہ میں حرام قرار دیا گیا ہے۔ جسکا مطلب یہ نکلا کہ مسلمانوں کے راستہ کی پیروی کرنا واجب ہے اور یہی اجماع ہے"۔ (مفہوم)

(۲): اسی طرح امام زمخشری رحمہ اللہ اپنی تفسیر الکشاف میں اسی آیت کے تحت بیان فرماتے ہیں کہ۔۔۔۔۔۔"یہ آیت دلیل ہے اس بات کی کہ اجماع حجت ہے۔اس اجماع کی مخالفت جائز نہیں ہے جیسے قرآن وسنت کی مخالفت جائز نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ نے شروع میں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مخالفت اور مسلمانوں کے راستہ سے علیحدہ کوئی اور راستہ اختیار کرنے کو ابتداء میں بطور شرط رکھا ہے اور اس کے نتیجہ میں وعید کے طور پر جہنم میں پھینکنے کا فرمایا۔اس وعید سے پتا چلا کہ دونوں کی پیروی واجب ہے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بھی اور مسلمانوں کے راستہ کی بھی"۔(مفہوم)

نوٹ: ہم نے آپ کے سامنے ان تفاسیر کی امہات کتب کے مفہوم پیش کیے ہیں جس کا خلاصہ یہی ہے کہ ان سب مفسرین حضرات کے نزدیک اجماع حجت ہے اور مسلمانوں کے راستہ سے الگ راستہ اختیار کرنے والا جہنم میں جائے گا اور مومنین کا راستہ ہی برحق ہے۔

(ملاحظہ فرمائیں تفسیر طبری، تفسیر کشاف، اور تفسیر مفاتیح الغیب)

(نیز ملاحظہ فرمائیں سکین نمبر 4، 5 اور 6)

تفسير الفخر الرازي

المشتهر بالتفسير الكبير ومفاتيح الغيب

للإمام محمد الرازي فخر الدين ابن العلامة ضياء الدين عمر

المشتهر بخطيب الري نفع الله بالمسلمين

٥٤٤ — ٦٠٤ هـ

حقوق الطبع محفوظة للناشر

الطبعة الأولى ١٤٠١ هـ - ١٩٨١ م

تمتاز هذه الطبعة بفهرس لآيات الأحكام

الجزء الحادي عشر

دار الفكر

للطباعة والنشر والتوزيع

قوله تعالى : « ومن يشاقق الرسول » الآية . سورة النساء ٤٣

وَمَن يُشَاقِقِ ٱلرَّسُولَ مِنۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ ٱلۡهُدَىٰ وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيلِ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ نُوَلِّهِۦ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصۡلِهِۦ جَهَنَّمَ وَسَآءَتۡ مَصِيرًا ﴿١١٥﴾

الخيرين فبأن يدخل فاعل الخير فيهم كان ذلك أولى ، ويجوز أن يراد : ومن يأمر بذلك ، فعبر عن الأمر بالفعل لأن الأمر أيضاً فعل من الأفعال .

قوله تعالى ﴿ ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولى ونصله جهنم وساءت مصيراً ﴾

اعلم أن تعلق هذه الآية بما قبلها هو ما روى أن طعمة بن أبيرق لما رأى أن الله تعالى هتك ستره وبرأ اليهودي عن تهمة السرقة ارتد وذهب إلى مكة ونقب جدار إنسان لأجل السرقة فتهدم الجدار عليه ومات فنزلت هذه الآية . أما الشقاق والمشاقة فقد ذكرنا في سورة البقرة أنه عبارة عن كون كل واحد منهما في شق آخر من الأمر ، أو عن كون كل واحد منهما فاعلاً فعلاً يقتضي لحوق مشقة بصاحبه ، وقوله (من بعد ما تبين له الهدى) أي من بعد ما ظهر له بالدليل صحة دين الإسلام . قال الزجاج : لأن طعمة هذا كان قد تبين له بما أوحى الله تعالى من أمره وأظهر من سرقته ما دله ذلك على صحة نبوة محمد ﷺ ، فعادى الرسول وأظهر الشقاق وارتد عن دين الإسلام ، فكان ذلك إظهار الشقاق بعدما تبين له الهدى ، قوله (ويتبع غير سبيل المؤمنين) يعني غير دين الموحدين ، وذلك لأن طعمة ترك دين الإسلام واتبع دين عبادة الأوثان .

ثم قال ﴿ نوله ما تولى ﴾ أي نتركه وما اختار لنفسه ، ونكله إلى ما توكل عليه . قال بعضهم : هذا منسوخ بآية السيف لا سيما في حق المرتد .

ثم قال ﴿ ونصله جهنم ﴾ يعني نلزمه جهنم ، وأصله الصلاء وهو لزوم النار وقت الإستدفاء (وساءت مصيراً) انتصب (مصيراً) على التمييز كقولك : فلان طاب نفساً ، وتصبب عرقاً ، وفي الآية مسائل :

﴿ المسألة الأولى ﴾ روى أن الشافعي رضي الله عنه سئل عن آية في كتاب الله تعالى تدل على أن الإجماع حجة ، فقرأ القرآن ثلثمائة مرة حتى وجد هذه الآية ، وتقرير الإستدلال أن اتباع غير سبيل المؤمنين حرام ، فوجب أن يكون اتباع سبيل المؤمنين واجباً ، بيان المقدمة الأولى أنه تعالى ألحق الوعيد بمن يشاقق الرسول ويتبع غير سبيل المؤمنين ، ومشاقة الرسول

المنافقين.

﴿لَّا خَيۡرَ فِي كَثِيرٖ مِّن نَّجۡوَىٰهُمۡ إِلَّا مَنۡ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوۡ مَعۡرُوفٍ أَوۡ إِصۡلَٰحِۭ بَيۡنَ ٱلنَّاسِۚ وَمَن يَفۡعَلۡ ذَٰلِكَ ٱبۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ ٱللَّهِ فَسَوۡفَ نُؤۡتِيهِ أَجۡرًا عَظِيمٗا ١١٤﴾.

﴿لا خير في كثير من نجواهم﴾ من تناجي الناس. ﴿إلا من أمر بصدقة﴾ إلاّ نجوى من أمر، على أنه مجرور بدل من كثير، كما تقول لا خير في قيامهم إلاّ قيام زيد، ويجوز أن يكون منصوباً على الانقطاع، بمعنى: ولكن من أمر بصدقة ففي نجواه الخير. وقيل: المعروف القرض، وقيل: إغاثة الملهوف. وقيل: هو عامّ في كل جميل، ويجوز أن يراد بالصدقة الواجب وبالمعروف ما يتصدق به على سبيل التطوّع. وعن النبي ﷺ: «كلام ابن آدم كله عليه لا له، إلا ما كان من أمر بمعروف أو نهي عن منكر، أو ذكر الله»[1]. وسمع سفيان رجلاً يقول: ما أشد هذا الحديث. فقال: ألم تسمع الله يقول: ﴿لا خير في كثير من نجواهم﴾ فهو هذا بعينه. أو ما سمعته يقول: ﴿والعصر ✽ إنّ الإنسان لفي خسر﴾[2] فهو هذا بعينه. وشرط في استيجاب الأجر العظيم أن ينوي فاعل الخير عبادة الله والتقرّب به إليه وأن يبتغي به وجهه خالصاً لأنّ الأعمال بالنيات.

فإنْ قلتَ: كيف قال ﴿إلا من أمر﴾، ثم قال: ﴿ومن يفعل ذلك﴾؟ قلتُ: قد ذكر الأمر بالخير ليدل به على فاعله لأنه إذا دخل الآمر به في زمرة الخيرين كان الفاعل فيهم أدخل، ثم قال: ﴿ومن يفعل ذلك﴾ فذكر الفاعل وقرن به الوعد بالأجر العظيم، ويجوز أن يراد: ومن يأمر بذلك، فعبر عن الأمر بالفعل كما يعبر به عن سائر الأفعال. وقرئ: يؤتيه بالياء.

﴿وَمَن يُشَاقِقِ ٱلرَّسُولَ مِنۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ ٱلۡهُدَىٰ وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيلِ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ نُوَلِّهِۦ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصۡلِهِۦ جَهَنَّمَۖ وَسَآءَتۡ مَصِيرًا ١١٥﴾.

﴿ويتبع غير سبيل المؤمنين﴾ وهو السبيل الذي هم عليه من الدين الحنيفي القيم، وهو دليل على أن الإجماع حجة لا تجوز مخالفتها، كما لا تجوز مخالفة الكتاب والسنة؛ لأنّ الله عز وجلا جمع بين اتباع سبيل غير المؤمنين وبين مشاقة الرسول في الشرط، وجعل جزاءه الوعيد الشديد، فكان اتباعهم واجباً كموالاة الرسول عليه الصلاة والسلام. قوله: ﴿نوله ما تولى﴾ نجعله والياً لما تولى من الضلال بأن نخذله ونخلي بينه وبين ما اختاره. ﴿ونصله جهنم﴾ وقرئ: ونصله بفتح النون، من صلاه.

وقيل: هي في طعمة وارتداده وخروجه إلى مكة.

﴿إِن يَدۡعُونَ مِن دُونِهِۦٓ إِلَّآ إِنَٰثٗا وَإِن يَدۡعُونَ إِلَّا شَيۡطَٰنٗا مَّرِيدٗا ١١٧﴾.

﴿إلا إناثاً﴾ هي اللات والعزى ومناة. وعن الحسن: لم يكن حي من أحياء العرب إلا ولهم صنم يعبدونه يسمونه أنثى بني فلان. وقيل: كانوا يقولون في أصنامهم هنّ بنات الله. وقيل: المراد الملائكة، لقولهم: الملائكة بنات الله. وقرئ: أنثاً جمع أنيث أو أناث، ووثناً وأثناً بالتخفيف والتثقيل جمع وثن، كقولك: أسد وأُسْد وأسد، وقلب الواو ألفاً نحو أجوه في وجوه. وقرأت عائشة رضي الله عنها: أوثاناً. ﴿وإن يدعون﴾ وإن يعبدون بعبادة الأصنام ﴿إلا شيطاناً﴾ لأنه هو الذي أغراهم على عبادتها فأطاعوه فجعلت طاعتهم له عبادةً.

﴿لَّعَنَهُ ٱللَّهُۘ وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنۡ عِبَادِكَ نَصِيبٗا مَّفۡرُوضٗا ١١٨﴾.

و﴿لعنه الله وقال لأتخذن﴾ صفتان، بمعنى شيطاناً مريداً جامعاً بين لعنة الله وهذا القول الشنيع ﴿نصيباً مفروضاً﴾ مقطوعاً واجباً فرضته لنفسي من قولهم: فرض له في العطاء وفرض الجند رزقه. قال الحسن: من كل ألف تسعمائة وتسعين إلى النار.

﴿وَلَأُضِلَّنَّهُمۡ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمۡ وَلَأٓمُرَنَّهُمۡ فَلَيُبَتِّكُنَّ ءَاذَانَ ٱلۡأَنۡعَٰمِ وَلَأٓمُرَنَّهُمۡ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلۡقَ ٱللَّهِۚ وَمَن يَتَّخِذِ ٱلشَّيۡطَٰنَ وَلِيّٗا مِّن دُونِ ٱللَّهِ فَقَدۡ خَسِرَ خُسۡرَانٗا مُّبِينٗا ١١٩ يَعِدُهُمۡ وَيُمَنِّيهِمۡۖ وَمَا يَعِدُهُمُ ٱلشَّيۡطَٰنُ إِلَّا غُرُورًا ١٢٠ أُوْلَٰٓئِكَ مَأۡوَىٰهُمۡ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُونَ عَنۡهَا مَحِيصٗا ١٢١﴾.

﴿ولأمنينهم﴾[4] الأماني الباطلة من طول الأعمار.

(1) أخرجه الترمذي في كتاب: الزهد، باب: (62) منه الحديث (2412)، وأخرجه ابن ماجه في كتاب: الفتن، باب: كف اللسان في الفتنة الحديث (3974)، والحاكم في المستدرك 2/513.

(2) سورة العصر، الآيتان: 1 ـ 2.

(3) ذكره القرطبي في تفسيره (5/385).

(4) قال أحمد: هو تعريض بأهل السنة الذين يعتقدون أنّ الموحد ذا الكبائر غير التائب أمره مرجأ إلى الله تعالى، والعفو عنه موكول إلى مشيئته، إيماناً وتصديقاً بقوله في الآية المعتبرة في هذا أنّ الله لا يغفر أن يشرك به ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء، والعجب أنّ هذه الآية تكررت في هذه السورة مرتين، على أنّ =

تفسير الكشاف

عن حقائق التنزيل وعيون الأقاويل في وجوه التأويل

تأليف
أبي القاسم جار الله محمود بن عمر
الزمخشري الخوارزمي
٤٦٧-٥٣٨هـ

اعتنى به وخرّج أحاديثه وعلّق عليه
خليل مأمون شيحا

دار المعرفة
بيروت - لبنان

من ذلك عظيماً، ولاحدَّ لمبلغ ما سمى الله «عظيماً» يَعْلَمُهُ سواه.

القولُ في تأويلِ قولِه تعالى: ﴿وَمَن يُشَاقِقِ ٱلرَّسُولَ مِنۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ ٱلۡهُدَىٰ وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيلِ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ نُوَلِّهِۦ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصۡلِهِۦ جَهَنَّمَۖ وَسَآءَتۡ مَصِيرًا ١١٥﴾

يعني جَلَّ ثناؤُه بقوله: «ومَن يُشاقِقِ الرَّسُولَ»، ومَن يُباين الرسولَ محمداً ﷺ، مُعادياً له، فيفارقه على العداوة له. «مِن بَعْدِ ما تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى»، يعني: من بعد ما تَبَيَّنَ له أنه رسولُ الله، وأنَّ ما جاء به من عند الله يهدي إلى الحق وإلى طريق مستقيم. «ويَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ المُؤْمِنِينَ»، يقول: ويتبع طريقاً غيرَ طريقِ أهلِ التصديق، ويسلك منهاجاً غيرَ منهاجهم، وذلك هو الكفرُ بالله، لأنَّ الكفرَ بالله ورسوله غير سبيل المؤمنين وغير منهاجهم. «نُوَلِّهِ ما تَوَلَّى»، يقول: نجعل ناصره ما استنصره واستعان به من الأوثان والأصنام، وهي لا تغنيه ولا تدفع عنه من عذاب الله شيئاً، ولا تنفعه.

«ونُصْلِهِ جَهَنَّمَ»، يقول: ونجعلهُ صِلاءَ نارِ جهنمَ، يعني: نحرقهُ بها.

«وسَاءَتْ مَصِيراً»، يقول وساءت جهنم. «مَصِيراً»، موضعاً يَصِيرُ إليه مَن صار إليه.

ونزلت هذه الآية في الخائنينَ الذين ذكرهم الله في قوله: «ولا تَكُنْ لِلْخَائِنِينَ خَصِيماً»، لمَّا أبى التوبةَ مَن أبى منهم، وهو طُعْمَةُ بنُ الأُبيرق، ولَحِقَ بالمشركينَ من عَبَدَةِ الأوثان بمكة مرتداً، مُفارقاً لرسول الله ﷺ ودينه.

القولُ في تأويلِ قولِه تعالى: ﴿إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَغۡفِرُ أَن يُشۡرَكَ بِهِۦ وَيَغۡفِرُ مَا دُونَ

تفسير الطبري

من كتابه

جامع البيان عن تأويل آي القرآن

هذّبه وحقّقه وضبط نصّه وعلّق عليه

الدكتور بشار عواد معروف　عصام فارس الحرستاني

المجلد الثاني

البقرة إلى النساء

مؤسسة الرسالة

قارئین کرام! اب ایک طرف غامدی صاحب اجماع امت کو بدعت اور بے بنیاد نظریہ قرار دیتے ہوئے اسکا انکار کر رہے ہیں تو دوسری طرف غامدی صاحب کے ہی ممدوح مفسرین حضرات جنکی تفاسیر امہات کتب میں شامل ہیں جنکو پڑھنے کی غامدی صاحب طلباء کرام کو بھی نصیحت کر رہے ہیں۔۔۔۔۔ان حضرات مفسرین کے نزدیک اجماع امت برحق ہے اور اسکی دلیل بھی قرآن مجید کی سورۃ النساء آیت 115 ہی ہے جبکہ غامدی صاحب اسی آیت کے استدلال کو بھی اپنی کتاب مقامات میں بے بنیاد قرار دے رہے ہیں۔اب فیصلہ آپ پر ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

احادیث مبارکہ کی بابت غامدی کا سطحی علمی معیار

قارئین کرام! ہم اور آپ قرآن مجید کی جس قراءت کی تلاوت کرتے ہیں وہ امام حفص کی روایت ہے جبکہ اس کے علاوہ کئی دیگر ممالک میں قرآن مجید امام حفص کی روایت کی بجائے کسی اور قراءت میں بھی پڑھا جاتا ہے لیکن ۔۔۔۔ غامدی صاحب کا عقیدہ اس کے بلکل برعکس ہے۔ غامدی صاحب قرآن مجید کی صرف ایک ہی قراءت کو تسلیم کرتے ہیں اس کے علاوہ بقیہ تمام قراءت کو عجم کا فتنہ قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا اسی سلسلے میں غامدی صاحب نے اپنی کتاب ''میزان'' کے صفحہ 29 اور 30 پر مؤطا امام مالک کے حوالے سے ایک روایت نقل کرتے ہیں جس کے الفاظ ہیں... "یہ قرآن سات حرفوں پر اترا ہے۔"

(ملاحظہ فرمائیں میزان طبع پنجم دسمبر 2009 صفحہ 29، 30)

قراءت کی بنیاد پر کی ہے اور میں پورے اعتماد کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ اس کے سوا کسی دوسری قراءت پر قرآن کی تفسیر کرنا اس کی بلاغت، معنویت اور حکمت کو مجروح کیے بغیر ممکن نہیں۔" (تدبر قرآن ۸/۱)

یہاں ہو سکتا ہے کہ 'سبعة احرف' کی روایت بھی بعض لوگوں کے لیے الجھن کا باعث بنے۔ موطا میں یہ روایت اس طرح بیان ہوئی ہے:

عن عبد الرحمن بن عبد القاری انه قال: سمعت عمر بن الخطاب يقول: سمعت هشام بن حكيم بن حزام يقرأ سورة الفرقان

"عبد الرحمن بن عبد القاری کی روایت ہے کہ عمر بن الخطاب نے میرے سامنے فرمایا کہ ہشام بن حکیم بن حزام کو میں نے سورۂ فرقان اس سے مختلف طریقے سے پڑھتے

۱۹ ان کے علاوہ بعض دوسرے صحابہ بھی، یقیناً اس موقع پر موجود رہے ہوں گے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عباس کی ایک روایت میں یہی بات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو: المعجم الکبیر، الطبرانی، رقم ۱۲۹۰۲۔

على غير ما اقرؤها، وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم اقرأنيها، فكدت ان اعجل عليه، ثم امهلته حتى انصرف، ثم لببته بردائه، فجئت به رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت: يا رسول الله، اني سمعت هذا يقرأ سورة الفرقان على غير ما اقرأتنيها، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ارسله، ثم قال: اقرأ يا هشام، فقرأ القراءة التي سمعته يقرأ، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: هكذا انزلت، ثم قال لي: اقرأ، فقرأتها، فقال: هكذا انزلت، ان هذا القرآن انزل على سبعة احرف، فاقرؤوا ما تيسر منه. (رقم ۵۹۶)

ہوئے سنا، جس طرح میں اُسے پڑھتا تھا اور مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خود پڑھائی تھی۔ چنانچہ میں اُسی وقت اُسے پکڑنا چاہتا تھا، مگر میں نے اُسے مہلت دی، یہاں تک کہ وہ نماز سے فارغ ہو گیا تو اُس کی چادر پکڑ کر کھینچتے ہوئے میں اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا اور عرض کی: یا رسول اللہ، میں نے اُس سے مختلف طریقے پر اِسے سورۂ فرقان کی تلاوت کرتے ہوئے سنا ہے، جس طرح آپ نے مجھے پڑھائی تھی۔ آپ نے فرمایا: اِسے چھوڑ دو۔ پھر ہشام سے کہا: پڑھو تو اُس نے اُسی طرح پڑھی، جس طرح میں نے اُسے پڑھتے ہوئے سنا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِسی طرح اتری ہے۔ پھر مجھ سے کہا: پڑھو، چنانچہ میں نے بھی پڑھی تو فرمایا: اِسی طرح اتری ہے۔ یہ قرآن سات حرفوں پر اترا ہے، تم اِن میں سے جسے آسان سمجھو، اُس کے مطابق پڑھ سکتے ہو۔"

اس روایت کے بارے میں ذیل کے چند حقائق اگر پیش نظر رہیں تو صاف واضح ہو جاتا ہے کہ یہ ایک بالکل ہی بے معنی روایت ہے جسے اس بحث میں ہرگز قابل اعتنا نہیں سمجھنا چاہیے:

اول یہ کہ یہ روایت اگرچہ حدیث کی امہات کتب میں بیان ہوئی ہے، لیکن اس کا مفہوم ایک ایسا معما ہے جسے کوئی شخص اس امت کی پوری تاریخ میں کبھی حل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ امام سیوطی نے اس کی تعیین میں متعدد اقوال اپنی کتاب "الاتقان" میں نقل کیے ہیں، پھر ان میں سے ہر ایک کی کمزوری کا احساس کر کے موطا کی شرح "تنویر الحوالک" میں بالآخر اعتراف کر لیا ہے کہ اسے من جملہ متشابہات ماننا چاہیے جن کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ وہ لکھتے ہیں:

وارجحها عندي قول من قال: ان هذا من المتشابه الذي لا يدرى تاويله. (۱۵۹/۱)

"میرے نزدیک سب سے بہتر رائے اس معاملے میں انھی لوگوں کی ہے جو کہتے ہیں کہ یہ روایت اُن امور متشابہات میں سے ہے جن کی حقیقت کسی طرح بھی نہیں جا سکتی۔"

اس روایت کونقل کرنے کے بعد غامدی صاحب نے مستشرقین کے طریقہ پر عمل کرتے ہوئے ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کی بابت ایک شبہ دینے کی کوشش کی ہے، ملاحظہ فرمائیں......

غامدی صاحب اپنی کتاب میزان کے صفحہ 31 پر لکھتے ہیں کہ......."صحاح میں یہ اصلاً ابن شہاب زہری کی وساطت سے آئی ہیں.....مزید آگے غامدی صاحب تنقید کرتے ہوئے امام لیث بن سعد رحمہ اللہ کے خط کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ......."انکی (ابن شہاب زہری۔ناقل) کی کوئی روایت اس طرح کے اہم معاملات میں قابل قبول نہیں ہوگی۔"

(ملاحظہ فرمائیں میزان طبع پنجم دسمبر 2009 صفحہ 31)

دوم یہ کہ اس کی واحد معقول توجیہ اگر کوئی ہو سکتی تھی تو یہی ہو سکتی تھی کہ 'سبعة احرف' کو اس میں عرب کے لغات اور لہجوں پر محمول کیا جائے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ روایت کا متن ہی اس کی تردید کر دیتا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ ہشام اور عمر فاروق، جن دو بزرگوں کے مابین اختلاف کا ذکر اس روایت میں ہوا ہے، دونوں قریشی ہیں جن میں ظاہر ہے کہ اس طرح کے کسی اختلاف کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

سوم یہ کہ اختلاف اگر الگ الگ قبیلوں کے افراد میں بھی ہوتا تو 'انزل' (نازل کیا گیا) کا لفظ اس روایت میں ناقابل توجیہ ہی تھا، اس لیے کہ قرآن نے اپنے متعلق یہ بات پوری صراحت کے ساتھ بیان فرمائی ہے کہ وہ قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ اس کے بعد یہ بات تو بے شک، مانی جا سکتی ہے کہ مختلف قبیلوں کو اسے اپنی اپنی زبان اور لہجے میں پڑھنے کی اجازت دی گئی، لیکن یہ بات کس طرح مانی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اسے مختلف قبیلوں کی زبان میں اتارا تھا؟

چہارم یہ کہ ہشام کے بارے میں معلوم ہے کہ فتح مکہ کے دن ایمان لائے تھے۔ لہٰذا اس روایت کو مانیے تو یہ بات بھی ماننا پڑتی ہے کہ فتح مکہ کے بعد تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابہ، یہاں تک کہ سیدنا عمر جیسے شب و روز کے ساتھی بھی اس بات کا علم نہیں رکھتے تھے کہ قرآن مجید کو آپ چپکے چپکے اس سے مختلف طریقے پر لوگوں کو پڑھا دیتے ہیں جس طریقے سے وہ کم و بیش بیس سال تک آپ کی زبان سے سنا دیا اسے سنتے اور آپ کی ہدایت کے مطابق اُسے سینوں اور سفینوں میں محفوظ کرتے رہے ہیں۔ ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ کیسی سنگین بات ہے اور اس کی زد کہاں کہاں پڑ سکتی ہے؟

یہی معاملہ اُن روایتوں کا بھی ہے جو سیدنا صدیق اور اُن کے بعد سیدنا عثمان کے دور میں قرآن کی جمع و تدوین سے متعلق حدیث کی کتابوں میں نقل ہوئی ہیں۔ قرآن، جیسا کہ اس بحث کی ابتدا میں بیان ہوا، اس معاملے میں بالکل صریح ہے کہ وہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حین حیات مرتب ہوا ہے، لیکن یہ روایتیں اس کے برخلاف ایک دوسری ہی داستان سناتی ہیں جسے نہ قرآن قبول کرتا ہے اور نہ عقل عام ہی کسی طرح ماننے کے لیے تیار ہو سکتی ہے۔ صحاح میں یہ اصلاً ابن شہاب زہری کی وساطت سے آئی ہیں۔ ائمۂ رجال انھیں تدلیس اور ادراج کا مرتکب تو قرار دیتے ہی ہیں، اس کے ساتھ اگر ان کے وہ خصائص بھی پیش نظر رہیں جو امام لیث بن سعد نے امام مالک کے نام اپنے ایک خط میں بیان فرمائے ہیں تو ان کی کوئی روایت بھی اس طرح کے اہم معاملات میں قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ وہ لکھتے ہیں:

و كان يكون من ابن شهاب اختلاف كثير اذا لقيناه، و اذا كاتبه بعضنا فربما كتب في الشيء الواحد على فضل رأيه وعلمه بثلاثة انواع ينقض بعضها بعضاً، ولا يشعر	"اور ہم لوگ جب ابن شہاب سے ملتے تھے تو بہت سے تضادات سامنے آتے اور ہم میں سے کوئی جب اُن سے لکھ کر دریافت کرتا تو علم و عقل میں فضیلت کے باوجود ایک ہی چیز کے متعلق اُن کا جواب تین طرح کا ہوا کرتا تھا

جاوید احمد غامدی

مِیزان

المورد

ادارہ علم و تحقیق

غامدی صاحب کے نزدیک تو قراءت کی بابت صحاح ستہ میں یہ روایات ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کی وساطت سے آئی ہیں۔۔۔۔۔۔لیکن ہم اب آپ کے سامنے صحاح ستہ کی وہ احادیث پیش کریں گے کہ جن میں قراءت اور سات حروف کے حوالے سے ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کا ذکر تک نہیں ہے۔

ذیل میں ان سات حروف والی قراءت کی بابت صحاح ستہ کی احادیث کے حوالے اور انکے سکین پیش کیے گئے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

1: صحیح مسلم جلد دوم رقم الحدیث 1904

2: صحیح مسلم جلد دوم رقم الحدیث 1905

3: صحیح مسلم جلد دوم رقم الحدیث 1906

4: جامع ترمذی جلد دوم رقم الحدیث 2944

نوٹ: آخر پر ان سب احادیث کے سکین بھی ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

قارئین کرام! یہ سب ان احادیث مبارکہ کے حوالے ہیں جن میں۔۔۔۔۔"سات حروف" کا ذکر ہے اور جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید سات حروف پر نازل ہوا ہے۔ان سب روایات میں کہیں پر بھی کوئی ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کا ذکر تک موجود نہیں ہے۔لہٰذا غامدی صاحب کا یہ کہنا کہ یہ روایات صحاح میں اصلاً ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کی وجہ سے آئی ہیں نہایت ہی غلط ہے۔

کیا غامدی صاحب کی یہ تحقیق ہے کہ انہیں صرف ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کی حدیث مل گئی جبکہ ان کے علاوہ جو دیگر احادیث مبارکہ ہیں جن میں ابن شہاب زہری رحمہ اللہ موجود نہیں ہیں وہ غامدی صاحب کو نظر کیوں نہ آئیں؟؟؟

جناب غامدی صاحب خود تحقیق کم اور کاپی پیسٹ زیادہ کرتے ہیں لہٰذا ان کی ناقص تحقیق کی وجہ واضح معلوم ہو رہا ہے کہ موصوف کے پاس صرف سطحی اور ناقص علم ہی ہے جس کہ وجہ سے وہ علمی خیانت کے مرتکب قرار پاتے ہیں۔

حَيَاةَ رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَسَاقَ الْحَدِيثَ بِمِثْلِهِ. وَزَادَ: فَكِدْتُ أُسَاوِرُهُ فِي الصَّلَاةِ، فَتَصَبَّرْتُ حَتَّى سَلَّمَ.

کیا کہ قریب تھا کہ میں اس پر نماز ہی میں پل پڑوں، میں نے بڑی مشکل سے صبر کیا یہاں تک کہ اس نے سلام پھیرا۔

[١٩٠١] (. . .) حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَا: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ. كَرِوَايَةِ يُونُسَ بِإِسْنَادِهِ.

[1901] معمر نے زہری سے یونس کی روایت کی طرح اسی کی سند کے ساتھ روایت کی۔

[١٩٠٢] ٢٧٢-(٨١٩) وَحَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيٰى: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ؛ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ حَدَّثَهُ؛ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «أَقْرَأَنِي جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلٰى حَرْفٍ، فَرَاجَعْتُهُ، فَلَمْ أَزَلْ أَسْتَزِيدُهُ فَيَزِيدُنِي، حَتَّى انْتَهٰى إِلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ».

[1902] یونس نے ابن شہاب سے روایت کی، انھوں نے کہا: مجھ سے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے حدیث بیان کی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جبریل علیہ السلام نے مجھے ایک حرف پر (قرآن) پڑھایا، میں نے ان سے مراجعت کی، پھر میں زیادہ کا تقاضا کرتا رہا اور وہ میرے لیے حروف میں اضافہ کرتے گئے یہاں تک کہ سات حرفوں تک پہنچ گئے۔''

قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: بَلَغَنِي أَنَّ تِلْكَ السَّبْعَةَ الْأَحْرُفَ إِنَّمَا هِيَ فِي الْأَمْرِ الَّذِي يَكُونُ وَاحِدًا، لَا يَخْتَلِفُ فِي حَلَالٍ وَّلَا حَرَامٍ.

ابن شہاب نے کہا: مجھے خبر پہنچی کہ پڑھنے کی یہ سات صورتیں (سات حروف) ایسے معاملے میں ہوتیں جو (حقیقتاً اور معناً) ایک ہی رہتا، (ان کی وجہ سے) حلال وحرام کے اعتبار سے کوئی اختلاف نہ ہوتا۔

[١٩٠٣] (. . .) وَحَدَّثَنَاهُ عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ.

[1903] ہمیں معمر نے زہری سے اسی سند کے ساتھ خبر دی۔

[١٩٠٤] ٢٧٣-(٨٢٠) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ: حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ ابْنُ أَبِي خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عِيسٰى بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلٰى، عَنْ جَدِّهِ، عَنْ أُبَيِّ ابْنِ كَعْبٍ قَالَ: كُنْتُ فِي الْمَسْجِدِ، فَدَخَلَ رَجُلٌ يُصَلِّي، فَقَرَأَ قِرَاءَةً أَنْكَرْتُهَا عَلَيْهِ، ثُمَّ

[1904] عبداللہ بن نمیر نے کہا: اسماعیل بن ابی خالد نے ہمیں حدیث بیان کی، انھوں نے عبداللہ بن عیسیٰ بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے، انھوں نے اپنے دادا (عبدالرحمن) سے اور انھوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی، انھوں نے کہا: میں مسجد میں تھا کہ ایک آدمی داخل ہوا، نماز پڑھنے لگا اور اس نے جس طرح قراءت کی اس کو میں نے

صحیح مسلم اردو

دوم

ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری رحمہ اللہ

(المتوفی ۲۶۱ ھجری)

ترجمہ ومختصر فوائد: پروفیسر محمد یحییٰ سلطان محمود جلالپوری

دار العلم ممبئی

دَخَلَ آخَرُ، فَقَرَأَ قِرَاءَةً سِوٰى قِرَاءَةِ صَاحِبِهِ، فَلَمَّا قَضَيْنَا الصَّلَاةَ دَخَلْنَا جَمِيعًا عَلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَقُلْتُ: إِنَّ هٰذَا قَرَأَ قِرَاءَةً أَنْكَرْتُهَا عَلَيْهِ، وَدَخَلَ آخَرُ فَقَرَأَ سِوٰى قِرَاءَةِ صَاحِبِهِ، فَأَمَرَهُمَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَرَآ، فَحَسَّنَ النَّبِيُّ ﷺ شَأْنَهُمَا، فَسَقَطَ فِي نَفْسِي مِنَ التَّكْذِيبِ، وَلَا إِذْ كُنْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَلَمَّا رَأٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ مَا قَدْ غَشِيَنِي ضَرَبَ فِي صَدْرِي، فَفِضْتُ عَرَقًا، وَكَأَنَّمَا أَنْظُرُ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ فَرَقًا. فَقَالَ لِي: «يَا أُبَيُّ! أُرْسِلَ إِلَيَّ: أَنِ اقْرَإِ الْقُرْآنَ عَلٰى حَرْفٍ، فَرَدَدْتُ إِلَيْهِ: أَنْ هَوِّنْ عَلٰى أُمَّتِي، فَرَدَّ إِلَيَّ الثَّانِيَةَ: أَنِ اقْرَأْهُ عَلٰى حَرْفَيْنِ، فَرَدَدْتُ إِلَيْهِ: أَنْ هَوِّنْ عَلٰى أُمَّتِي، فَرَدَّ إِلَيَّ الثَّالِثَةَ: اقْرَأْهُ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، فَلَكَ بِكُلِّ رَدَّةٍ رَدَدْتُكَهَا مَسْأَلَةٌ تَسْأَلُنِيهَا. فَقُلْتُ: اَللّٰهُمَّ! اغْفِرْ لِأُمَّتِي، اَللّٰهُمَّ! اغْفِرْ لِأُمَّتِي، وَأَخَّرْتُ الثَّالِثَةَ لِيَوْمٍ يَرْغَبُ إِلَيَّ الْخَلْقُ كُلُّهُمْ، حَتّٰى إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ».

اس کے سامنے ناقابل قبول قرار دے دیا۔ پھر ایک اور آدمی آیا، اس نے ایسی قراءت کی جو اس کے ساتھی (پہلے آدمی) کی قراءت سے مختلف تھی، جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو ہم سب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے عرض کی کہ اس شخص نے ایسی قراءت کی جو میں نے اس کے سامنے رد کر دی اور دوسرا آیا تو اس نے اپنے ساتھی سے بھی الگ قراءت کی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں حکم دیا، ان دونوں نے قراءت کی۔ نبی اکرم ﷺ نے ان دونوں کے انداز کی تحسین فرمائی تو میرے دل میں آپ کی تکذیب (جھٹلانے) کا داعیہ اس زور سے ڈالا گیا جتنا اس وقت بھی نہ تھا جب میں جاہلیت میں تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھ پر طاری ہونے والی اس کیفیت کو دیکھا تو میرے سینے میں مارا جس سے میں پسینہ پسینہ ہو گیا، جیسے میں ڈر کے عالم میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں، آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''میرے پاس حکم بھیجا گیا کہ میں قرآن ایک حرف (قراءت کی ایک صورت) پر پڑھوں۔ تو میں نے جواباً درخواست کی کہ میری امت پر آسانی فرمائیں۔ تو میرے پاس دوبارہ جواب بھیجا کہ میں اسے دو حرفوں پر پڑھوں۔ میں نے پھر عرض کی کہ میری امت کے لیے آسانی فرمائیں۔ تو میرے پاس تیسری بار جواب بھیجا کہ اسے سات حروف پر پڑھیے، نیز آپ کے لیے ہر جواب کے بدلے جو میں نے دیا ایک دعا ہے جو آپ مجھ سے مانگیں۔ میں نے عرض کی: اے میرے اللہ! میری امت کو بخش دے، اے میرے اللہ! میری امت کو بخش دے۔ اور تیسری دعا میں نے اس دن کے لیے مؤخر کر لی ہے جس دن تمام مخلوق حتی کہ ابراہیم علیہ السلام بھی میری طرف راغب ہوں گے۔''

صحیح مسلم اردو

دوم

ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری رحمہ اللہ

(المتوفی ۲۶۱ ھجری)

ترجمہ ومختصر فوائد: پروفیسر محمد یحییٰ سلطان محمود جلالپوری

دار العلم ممبئی

[١٩٠٥](. . .) حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ: حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عِيسَى عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى: أَخْبَرَنِي أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ: أَنَّهُ كَانَ جَالِسًا فِي الْمَسْجِدِ، إِذْ دَخَلَ رَجُلٌ فَصَلّٰى، فَقَرَأَ قِرَاءَةً، وَاقْتَصَّ الْحَدِيثَ بِمِثْلِ حَدِيثِ ابْنِ نُمَيْرٍ.

[1905] محمد بن بشر نے اسماعیل بن ابی خالد سے اسی سند کے ساتھ روایت کی کہ حضرت ابی بن کعب ﷺ نے بتایا کہ میں مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی داخل ہوا اور نماز پڑھی، اس نے اس طرح قراءت کی...... (آگے) عبداللہ بن نمیر کی طرح حدیث بیان کی۔

[١٩٠٦] ٢٧٤-(٨٢١) وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ عَنْ شُعْبَةَ؛ ح: وَحَدَّثَنَاهُ ابْنُ الْمُثَنّٰى وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالَ ابْنُ الْمُثَنّٰى: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ؛ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ عِنْدَ أَضَاةِ بَنِي غِفَارٍ قَالَ: فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ: إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَقْرَأَ أُمَّتُكَ الْقُرْآنَ عَلٰى حَرْفٍ. فَقَالَ: «أَسْأَلُ اللهَ مُعَافَاتَهُ وَمَغْفِرَتَهُ، وَإِنَّ أُمَّتِي لَا تُطِيقُ ذٰلِكَ»، ثُمَّ أَتَاهُ الثَّانِيَةَ فَقَالَ: إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَقْرَأَ أُمَّتُكَ الْقُرْآنَ عَلٰى حَرْفَيْنِ! فَقَالَ: «أَسْأَلُ اللهَ مُعَافَاتَهُ وَمَغْفِرَتَهُ، وَإِنَّ أُمَّتِي لَا تُطِيقُ ذٰلِكَ»، ثُمَّ جَاءَهُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ: إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَقْرَأَ أُمَّتُكَ الْقُرْآنَ عَلٰى ثَلَاثَةِ أَحْرُفٍ فَقَالَ: «أَسْأَلُ اللهَ مُعَافَاتَهُ وَمَغْفِرَتَهُ، وَإِنَّ أُمَّتِي لَا تُطِيقُ ذٰلِكَ»، ثُمَّ جَاءَهُ الرَّابِعَةَ فَقَالَ: إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَقْرَأَ أُمَّتُكَ الْقُرْآنَ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، فَأَيُّمَا حَرْفٍ قَرَأُوا عَلَيْهِ، فَقَدْ أَصَابُوا.

[1906] محمد بن جعفر غندر نے شعبہ سے روایت کی، انھوں نے حکم سے، انھوں نے مجاہد سے، انھوں نے ابن ابی لیلی سے اور انھوں نے حضرت ابی بن کعب ﷺ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ بنو غفار کے اضاۃ (بارانی تالاب) کے پاس تشریف فرما تھے۔ کہا: آپ کے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہا: اللہ تعالی نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ کی امت ایک حرف (قراءت کی صورت) پر قرآن پڑھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں اللہ تعالی سے اس کا عفو (درگزر) اور اس کی مغفرت چاہتا ہوں، میری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔'' پھر وہ (جبریل علیہ السلام) دوبارہ آپ کے پاس آئے اور کہا: اللہ تعالی آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ کی امت دو حرفوں پر قرآن پڑھے۔ آپ ﷺ نے کہا: ''میں اللہ تعالی سے اس کا عفو اور بخشش مانگتا ہوں، میری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔'' پھر وہ (جبریل علیہ السلام) تیسری دفعہ آپ کے پاس آئے اور کہا: اللہ تعالی آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ کی امت تین حرفوں پر قرآن پڑھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں اللہ تعالی سے اس کے عفو و درگزر کا سوال کرتا ہوں اور میری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔'' پھر جبریل علیہ السلام آپ کے پاس چوتھی مرتبہ آئے اور کہا: اللہ تعالی کا آپ کو حکم ہے کہ آپ کی امت سات حرفوں پر قرآن پڑھے، وہ جس حرف پر بھی پڑھیں

152
كتاب فضائل القرآن وما يتعلق به

[١٩٠٥](. . .) حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ: حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عِيسَى عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى: أَخْبَرَنِي أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ: أَنَّهُ كَانَ جَالِسًا فِي الْمَسْجِدِ، إِذْ دَخَلَ رَجُلٌ فَصَلّٰى، فَقَرَأَ قِرَاءَةً، وَاقْتَصَّ الْحَدِيثَ بِمِثْلِ حَدِيثِ ابْنِ نُمَيْرٍ.

[1905] محمد بن بشر نے اسماعیل بن ابی خالد سے اسی سند کے ساتھ روایت کی کہ حضرت ابی بن کعب ﷺ نے بتایا کہ میں مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی داخل ہوا اور نماز پڑھی، اس نے اس طرح قراءت کی...... (آگے) عبداللہ بن نمیر کی طرح حدیث بیان کی۔

[١٩٠٦] ٢٧٤-(٨٢١) وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ عَنْ شُعْبَةَ؛ ح: وَحَدَّثَنَاهُ ابْنُ الْمُثَنّٰى وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالَ ابْنُ الْمُثَنّٰى: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ؛ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ عِنْدَ أَضَاةِ بَنِي غِفَارٍ قَالَ: فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ: إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَقْرَأَ أُمَّتُكَ الْقُرْآنَ عَلٰى حَرْفٍ. فَقَالَ: «أَسْأَلُ اللهَ مُعَافَاتَهُ وَمَغْفِرَتَهُ، وَإِنَّ أُمَّتِي لَا تُطِيقُ ذٰلِكَ»، ثُمَّ أَتَاهُ الثَّانِيَةَ فَقَالَ: إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَقْرَأَ أُمَّتُكَ الْقُرْآنَ عَلٰى حَرْفَيْنِ! فَقَالَ: «أَسْأَلُ اللهَ مُعَافَاتَهُ وَمَغْفِرَتَهُ، وَإِنَّ أُمَّتِي لَا تُطِيقُ ذٰلِكَ»، ثُمَّ جَاءَهُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ: إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَقْرَأَ أُمَّتُكَ الْقُرْآنَ عَلٰى ثَلَاثَةِ أَحْرُفٍ فَقَالَ: «أَسْأَلُ اللهَ مُعَافَاتَهُ وَمَغْفِرَتَهُ، وَإِنَّ أُمَّتِي لَا تُطِيقُ ذٰلِكَ»، ثُمَّ جَاءَهُ الرَّابِعَةَ فَقَالَ: إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَقْرَأَ أُمَّتُكَ الْقُرْآنَ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، فَأَيُّمَا حَرْفٍ قَرَأُوا عَلَيْهِ، فَقَدْ أَصَابُوا.

[1906] محمد بن جعفر غندر نے شعبہ سے روایت کی، انھوں نے حکم سے، انھوں نے مجاہد سے، انھوں نے ابن ابی لیلی سے اور انھوں نے حضرت ابی بن کعب ﷺ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ بنو غفار کے اضاۃ (بارانی تالاب) کے پاس تشریف فرما تھے۔ کہا: آپ کے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہا: اللہ تعالی نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ کی امت ایک حرف (قراءت کی صورت) پر قرآن پڑھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں اللہ تعالی سے اس کا عفو (درگزر) اور اس کی مغفرت چاہتا ہوں، میری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔'' پھر وہ (جبریل علیہ السلام) دوبارہ آپ کے پاس آئے اور کہا: اللہ تعالی آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ کی امت دو حرفوں پر قرآن پڑھے۔ آپ ﷺ نے کہا: ''میں اللہ تعالی سے اس کا عفو اور بخشش مانگتا ہوں، میری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔'' پھر وہ (جبریل علیہ السلام) تیسری دفعہ آپ کے پاس آئے اور کہا: اللہ تعالی آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ کی امت تین حرفوں پر قرآن پڑھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں اللہ تعالی سے اس کے عفو و درگزر کا سوال کرتا ہوں اور میری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔'' پھر جبریل علیہ السلام آپ کے پاس چوتھی مرتبہ آئے اور کہا: اللہ تعالی کا آپ کو حکم ہے کہ آپ کی امت سات حرفوں پر قرآن پڑھے، وہ جس حرف پر بھی پڑھیں

(٢٩٤٤) عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ: لَقِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جِبْرِيْلَ فَقَالَ : ((يَا جِبْرِيْلُ اِنِّيْ بُعِثْتُ اِلٰى اُمَّةٍ اُمِّيِّيْنَ مِنْهُمُ الْعَجُوْزُ وَالشَّيْخُ الْكَبِيْرُ وَالْغُلَامُ وَالْجَارِيَةُ وَالرَّجُلُ الَّذِيْ لَمْ يَقْرَأْ كِتَابًا قَطُّ قَالَ يَامُحَمَّدُ اِنَّ الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ)). (حسن صحيح) صحيح ابى داؤد (١٣٢٨)

ترجمہ: روایت ہے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کہا انہوں نے کہ ملاقات کی رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل سے اور فرمایا کہ اے جبرئیل میں بھیجا گیا ہوں ایک امت پر کہ جوان پڑھی ہے کہ اس میں بوڑھے ہیں اور بڑے سن والے اور لڑکے اور لڑکیاں اور ایسے لوگ کہ جنہوں نے کبھی کوئی کتاب نہیں پڑھی کہا جبرائیل نے اے محمد بے شک قرآن اتارا گیا ہے سات حرفوں پر یعنی جس سے جس طرح ادا ہو موجب ثواب ہے اور اس کی قراتوں میں آسانی اور وسعت ہے۔

فائدہ : اس باب میں عمر اور حذیفہ بن یمان اور ابو ہریرہ اور ام ایوب رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے اور ام ایوب رضی اللہ عنہا یہ بیوی ہیں ابوایوب انصاری کی اور سمرہ اور ابن عباس اور ابی جہم بن حارث بن صمہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے اور مروی ہوئی ہے ابی بن کعب سے کئی سندوں سے۔

❀ ❀ ❀ ❀

تحقیق وتخریج شدہ جدید ایڈیشن

وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی

جامع ترمذی

جلد دوم

مترجم اُردو

تالیف الامام الحافظ محمد بن عیسیٰ الترمذی

ابواب القدر — ابواب العلل

حدیث 2133 — 3956

قراءت اور روایت میں بنیادی فرق اور غامدی صاحب کا سطحی علم

علم قراءات کی ابتدائی اور بنیادی اصطلاحات میں۔

قراءت سبعہ یعنی سات قراءتیں جو کہ سات قاریوں کی طرف منسوب ہیں، پہلے ان حضرات کے نام ملاحظہ فرمائیں۔

1: ابن عامر شامی (تابعی) وفات 118ھ

2: ابن کثیر مکی (تابعی) وفات 120ھ

3: عاصم کوفی (تابعی) وفات 127ھ

4: ابو عمرو بصری (تابعی) وفات 154ھ

5: حمزۃ زیات کوفی (تبع تابعی) وفات 156ھ

6: نافع مدنی (تبع تابعی) وفات 167ھ

7: کسائی کوفی (تبع تابعی) وفات 189ھ

نوٹ: ذیل میں اس حوالے سے چارٹ بھی دیا گیا ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

خاکسار
محمد مدثر
علی راؤ

یہ حضرات (قاری) ہیں اور یہ جو نقل کریں گے اسے (قراءت) کہیں گے

ان قاری حضرات کے شاگرد جو نقل کریں گے اسے روایت کہتے ہیں کیونکہ یہ راوی ہیں

نام	استاذ	شاگرد
ابن عامر (تابعی) وفات 118ھ	ابو شہاب مخزومی رضی اللہ عنہ صحابی	1۔ھشام 2۔ابن ذکوان
ابن کثیر (تابعی) وفات 120ھ	1 - عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ صحابی 2 - مجاہد بن جبر از عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ صحابی	1۔بزي 2۔قنبل
عاصم (تابعی) وفات 127ھ	ابو عبدالرحمن سلمی تابعی از حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہ صحابی	1۔حفص 2۔شعبه
ابو عمرو بصری (تابعی) وفات 154ھ	1 ۔شیبہ نصاح رضی اللہ عنہ صحابی 2 ۔مجاہد بن جبر از عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ صحابی	1۔دوري 2۔سوسی
حمزۃ زیات (تبع تابعی) وفات 156ھ	ابن ابی لیلیٰ تابعی	1۔ھشام 2۔خلاد
نافع (تبع تابعی) وفات 167ھ	ابو جعفر مدنی از ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ صحابی	1۔ورش 2۔قالون
کسائی (تبع تابعی) وفات 189ھ	1 - حمزۃ الزیات 2 - ابن ابی لیلیٰ تابعی	1۔ابو الحارث 2۔دوری

ان سات قاری حضرات کے آگے بہت سے شاگرد ہیں لیکن ان میں سے ان کے دو دو شاگرد بہت مشہور ہیں جنہیں ان کے راوی کہا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اوپر بیان کردہ قاری حضرات جو کچھ نقل کریں گے اسے قراءت کہا جائے گا اور آگے ان کے شاگرد ان سے جو نقل کرتے ہیں اسے روایت کہا جاتا ہے۔

اس وقت قراءت کی بابت ہمارے سلسلہ سند میں "امام عاصم کوفی" قاری ہیں اور انہوں نے جو نقل کیا اسے قراءت کہا جاتا ہے جبکہ امام عاصم سے امام حفص اور امام شعبہ نے جو کہ انکے شاگرد ہیں، انہوں نے جو کچھ اپنے استاد سے نقل کیا اسے روایت کہا جائے گا کیونکہ امام حفص اور امام شعبہ، امام عاصم کے راوی ہیں۔

پھر اسی طرح "امام نافع مدنی" قاری ہیں اور انہوں نے جو کچھ نقل کیا اسے قراءت کہا جاتا ہے جبکہ امام نافع سے انکے شاگرد امام ورش اور امام قالون نے جو کچھ نقل کیا اسے روایت کہا جاتا ہے کیونکہ یہ دونوں حضرات امام نافع کے راوی ہیں۔

☆ قاری کا نقل شدہ بیان = قراءت

☆ راوی کا نقل شدہ بیان = روایت

اسی لیے ہمارے ہاں قرآن مجید کی جس قراءت کی تلاوت کی جاتی ہے وہ "روایت حفص" کہلاتی ہے کیونکہ اس قراءت کو امام حفص نے نقل کیا ہے اور امام حفص راوی ہیں نا کہ قاری لہٰذا وہ جو کچھ نقل کریں گے اسے روایت کہا جائے گا۔

دیکھیے علم قراءات کی روشنی میں روایت حفص کو ''قراءت حفص'' نہیں کہا جاسکتا۔۔۔کیونکہ قراءت کی نسبت ان کے استاد امام عاصم کی طرف کی جائے گی جو کہ قاری ہیں۔لہٰذا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ امام حفص راوی ہیں اس لیے ان سے نقل شدہ قراءت کو روایت کہا جائے گا۔

قارئین کرام! قراءت اور روایت کے اس فرق کو جان لینے کے بعد اب آپ ذرا غامدی صاحب کے قراءت کی بابت بنیادی اور اصطلاحی علم سے واقفیت کی حالت ملاحظہ فرمائیں۔

غامدی صاحب اپنی کتاب میزان کے صفحہ 29 پر لکھتے ہیں۔۔۔

"چنانچہ صحابہ کرام کے زمانے سے لے کر آج تک مسلمانوں کا قولی تواتر صرف اسی قراءت کو حاصل ہے۔ ہمارے علماء اسے "قراءت حفص" کہتے ہیں۔" (ملاحظہ فرمائیں میزان طبع پنجم دسمبر 2009ء صفحہ 29)

فيه ، و كان زيد قد شهد العرضة الاخيرة، و كان يقرئ الناس بها حتى مات.

زید بن ثابت[19] بھی موجود تھے۔ دنیا سے رخصت ہونے تک وہ لوگوں کو اسی کے مطابق قرآن پڑھاتے تھے۔"

(البرہان، الزرکشی ۱/۳۳۱)

چنانچہ صحابۂ کرام کے زمانے سے لے کر آج تک مسلمانوں کا قولی تواتر صرف اِسی قراءت کو حاصل ہے۔ ہمارے علما اِسے ''قراءت حفص'' کہتے ہیں، دراں حالیکہ یہ ''قراءت عامہ'' ہے اور سلف، جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے، اِس کا تعارف بالعموم اِسی مفہوم کے الفاظ سے کراتے تھے۔ ابن سیرین کی روایت ہے:

القراءة التي عرضت على النبي صلى الله عليه وسلم في العام الذي قبض فيه هي القراءة التي يقرؤها الناس اليوم.

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی وفات کے سال جس قراءت پر قرآن سنایا گیا، یہ وہی قراءت ہے جس کے مطابق لوگ اِس وقت بھی قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں۔''

(الاتقان، السیوطی ۱/۱۸۴)

قرآن مجید پر اگر اُس کے نظم کی روشنی میں تدبر کیا جائے تو اُس کے داخلی شواہد بھی پوری قطعیت کے ساتھ یہی فیصلہ سناتے ہیں۔ مدرسۂ فراہی کے اکابر اہل علم نے جو کام اِس زمانے میں قرآن پر کیا ہے، اِس سے یہ بات بالکل مبرہن ہو جاتی ہے کہ قرآن کا متن اِس کے علاوہ کسی دوسری قراءت کو قبول ہی نہیں کرتا۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی کی تفسیر ''تدبر قرآن'' میں کوئی شخص اگر چاہے تو اِس کی مثالیں جگہ جگہ دیکھ سکتا ہے۔ وہ خود لکھتے ہیں:

''قراءتوں کا اختلاف بھی اِس تفسیر میں دور کر دیا گیا ہے۔ معروف اور متواتر قراءت وہی ہے جس پر یہ مصحف ضبط ہوا ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ اِس قراءت میں قرآن کی ہر آیت اور ہر لفظ کی تاویل لغت عرب، نظم کلام اور شواہد قرآن کی روشنی میں اِس طرح ہو جاتی ہے کہ اِس میں کسی شک کا احتمال باقی نہیں رہ جاتا۔ چنانچہ میں نے ہر آیت کی تاویل اِسی قراءت کی بنیاد پر کی ہے اور میں پورے اعتماد کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ اِس کے سوا کسی دوسری قراءت پر قرآن کی تفسیر کرنا اِس کی بلاغت، معنویت اور حکمت کو مجروح کیے بغیر ممکن نہیں۔'' (تدبر قرآن ۸/۸)

یہاں ہو سکتا ہے کہ 'سبعة احرف' کی روایت بھی بعض لوگوں کے لیے الجھن کا باعث بنے۔ موطا میں یہ روایت اِس طرح بیان ہوئی ہے:

عن عبد الرحمن بن عبد القاري أنه قال : سمعت عمر بن الخطاب يقول : سمعت هشام بن حكيم بن حزام يقرأ سورة الفرقان

''عبد الرحمٰن بن عبد القاری کی روایت ہے کہ عمر بن الخطاب نے میرے سامنے فرمایا کہ ہشام بن حکیم بن حزام کو میں نے سورۂ فرقان اُس سے مختلف طریقے سے پڑھتے

[19] اِن کے علاوہ بعض دوسرے صحابہ بھی، یقیناً اِس موقع پر موجود رہے ہوں گے۔ چنانچہ سیدنا عبد اللہ بن عباس کی ایک روایت میں یہی بات حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو: المعجم الکبیر، الطبرانی، رقم ۱۲۶۰۲۔

جاوید احمد غامدی

مِیزان

المورد

ادارۂ علم و تحقیق

ملاحظہ فرمائیں کہ یہاں پر غامدی صاحب "روایت حفص" کو "قراءت حفص" کہہ رہے ہیں۔۔۔۔۔اور پھر مزید یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ "ہمارے علماء اسے قراءت حفص کہتے ہیں۔"

☆ جناب غامدی صاحب ہمارے علماء کرام اسے قراءت حفص نہیں کہتے یہ صرف آپ ہی کہہ رہے ہیں اور اسے علماء کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔

☆ کوئی بھی سند یافتہ عالم دین کبھی بھی غامدی صاحب کی طرح روایت حفص کو قراءت حفص نہیں کہتا یہ صرف موصوف کی ہی علمی جہالت ہے۔

☆ جس شخص کو قراءت اور روایت کا بنیادی فرق ہی نہیں معلوم ہے تو اسکی باقی فکر کی علمی حالت کیا ہوگی؟

☆ غامدی صاحب کی ابتدائی اور بنیادی علوم سے ناواقفیت سے صرف وہ سادہ لوگ ہی متاثر ہو سکتے ہیں جو خود بھی ان علوم سے ناواقف ہوں۔

☆☆☆☆☆☆☆

قرآنی حکم میں تحدید اور غامدی کا کھلا تضاد

قارئین کرام! غامدی صاحب کے نزدیک حدیث دین کا کوئی ماخذ نہیں ہے کہ جس سے دین میں کسی عقیدہ کا عمل دخل ہو۔لہٰذا اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے غامدی صاحب حدیث کے ذریعہ سے قرآنی احکام میں تحدید یعنی کہ ان میں حد مقرر کرنے کے بھی منکر ہیں۔لہٰذا غامدی صاحب اپنی کتاب میزان کے صفحہ 25 پر لکھتے ہیں.........

"پہلی یہ کہ قرآن سے باہر کوئی وحی خفی یا جلی، یہاں تک کہ خدا کا وہ پیغمبر بھی جس پر یہ نازل ہوا ہے،اس کے کسی حکم کی تحدید و تخصیص یا اس میں کوئی ترمیم و تغیر نہیں کر سکتا۔"

(ملاحظہ فرمائیں میزان طبع پنجم دسمبر 2009 صفحہ 25)

(نیز ملاحظہ فرمائیں سکین نمبر 1)

اب ذرا غامدی صاحب کا تضاد ملاحظہ فرمائیں.....

غامدی صاحب اپنی اسی کتاب میزان کے صفحہ 421 پر سورۃ نسآء کی آیت 34 کے تحت قرآن مجید کے ایک حکم کی حدیث مبارکہ کے ذریعہ سے تحدید کر رہے ہیں۔

سورۃ نسآء آیت 34 میں اللہ تعالیٰ،سرکش و نافرمان عورتوں کو سزا دینے کا حکم فرما رہے ہیں۔۔۔۔۔اب اس سزا کی حد کیا ہوگی؟ یہ سزا کیسی ہونی چاہیے؟ اس سب کا علم آخر کہاں سے ہونا تھا؟

ظاہر سی بات ہے اس آیت مبارکہ میں جس سزا کا حکم فرمایا گیا ہے اس کی حد حدیث مبارکہ سے ہی معلوم ہونی تھی۔۔۔۔لہٰذا غامدی صاحب نے صفحہ 421 پر صحیح مسلم کی ایک حدیث کے ذریعہ سے،ان سرکش عورتوں کو سزا دینے کی حد بتائی ہے کہ سزا کی شدت کتنی اور سزا کیسی ہونی چاہیے۔

(ملاحظہ فرمائیں میزان طبع پنجم دسمبر 2009 صفہ 418 اور 421)

(نیز ملاحظہ فرمائیں پوسٹ کا سکین نمبر 2)

اب غامدی صاحب ایک طرف یہ کہتے ہیں کہ حدیث کے ذریعہ سے قرآنی حکم میں تحدید یعنی کہ اس کی حد مقرر نہیں کی جاسکتی اور دوسری طرف خود حدیث کے ذریعہ سے سرکش عورتوں کو دی جانے والی سزا کے متعلق حد بتا رہے ہیں۔۔۔۔۔ یہ کتنا واضح تضاد ہے غامدی صاحب کے اپنے قول میں۔۔۔۔ موصوف ایک جگہ جو اصول بناتے ہیں اسے دوسری جگہ خود ہی توڑ دیتے ہیں۔

یَدَیۡهِ مِنَ الۡكِتٰبِ وَ مُهَيۡمِنًا عَلَيۡهِ، فَاحۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الۡحَقِّ. (المائدہ ۵: ۴۸)

کے ساتھ اتاری ہے، اُس کتاب کی تصدیق میں جو اِس سے پہلے موجود ہے اور اُس کے لیے مہیمن بنا کر، اِس لیے تم اِن کے درمیان اُس ہدایت کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے نازل کی ہے اور اُس حق کو چھوڑ کر جو تمھارے پاس آچکا ہے، اِن کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو۔''

یہاں اِسی مفہوم کے لیے لفظ 'مُهَيۡمِن' استعمال ہوا ہے۔ یہ 'هيمن فلان علی کذا' سے بنا ہوا اسم صفت ہے جو محافظ اور نگران کے معنی میں آتا ہے۔ آیت میں قرآن مجید کو پچھلے صحیفوں پر 'مہیمن' قرار دیا گیا ہے۔ اِس کے معنی یہ ہیں کہ کتاب الٰہی کا اصل قابل اعتماد نسخہ قرآن مجید ہی ہے۔ چنانچہ دوسرے صحیفوں کے متن جب گم کر دیے گئے اور اُن کے تراجم میں بھی بہت کچھ تحریفات کر دی گئی ہیں تو اُن کے حق و باطل میں امتیاز کے لیے یہی کسوٹی اور معیار ہے۔ جو بات اِس پر کھری ثابت ہوگی، وہ کھری ہے اور جو اِس پر کھری ثابت نہ ہو سکے، وہ یقیناً کھوٹی ہے جسے لازماً رد ہو جانا چاہیے۔

قرآن مجید کی یہ حیثیت ہے جو اُس نے خود اپنے لیے ثابت قرار دی ہے۔ لہٰذا اِس کی بنیاد پر جو باتیں قرآن کے بارے میں بطور اصول ماننی چاہییں، وہ یہ ہیں:

پہلی یہ کہ قرآن سے باہر کوئی وحی خفی یا جلی، یہاں تک کہ خدا کا وہ پیغمبر بھی جس پر یہ نازل ہوا ہے، اِس کے کسی حکم کی تحدید و تخصیص یا اِس میں کوئی ترمیم و تغیر نہیں کر سکتا۔ دین میں ہر چیز کے رد و قبول کا فیصلہ اِس کی آیات بینات ہی کی روشنی میں ہوگا۔ ایمان و عقیدہ کی ہر بحث اِس سے شروع ہوگی اور اِسی پر ختم کر دی جائے گی۔ ہر وحی، ہر الہام، ہر القا، ہر تحقیق اور ہر رائے کو اِس کے تابع قرار دیا جائے گا اور اِس کے بارے میں یہ حقیقت تسلیم کی جائے گی کہ بوحنیفہ و شافعی، بخاری و مسلم، اشعری و ماتریدی اور جنید و شبلی، سب پر اِس کی حکومت قائم ہے اور اِس کے خلاف اِن میں سے کسی کی کوئی چیز بھی قبول نہیں کی جا سکتی۔

دوسری یہ کہ اِس کے الفاظ کی دلالت اِس کے مفہوم پر بالکل قطعی ہے۔ یہ جو کچھ کہنا چاہتا ہے، پوری قطعیت کے ساتھ کہتا ہے اور کسی معاملے میں بھی اپنا مدعا بیان کرنے سے ہرگز قاصر نہیں رہتا۔ اِس کا مفہوم وہی ہے جو اِس کے الفاظ قبول کر لیتے ہیں، وہ نہ اِس سے مختلف ہے نہ متبائن۔ اِس کے شہرستان معانی تک پہنچنے کا ایک ہی دروازہ ہے اور وہ اِس کے الفاظ ہیں۔ وہ اپنا مفہوم پوری قطعیت کے ساتھ واضح کرتے ہیں۔ اُس میں کسی ریب و گمان کے لیے ہرگز کوئی گنجایش نہیں ہوتی۔

یہ دونوں باتیں قرآن کے میزان اور فرقان ہونے کا لازمی تقاضا ہیں۔ اِن کے بارے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں۔ تاہم چند سوالات ایسے ہیں جو بعض لوگوں کے لیے اِس معاملے میں باعث تردد ہو سکتے ہیں:

کنواری کی اجازت ضروری ہے۔ لوگوں نے پوچھا: اُس کی اجازت کیسے ہو؟ آپ نے فرمایا: وہ خاموش رہے تو یہی اجازت ہے۔[9]

ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: بیوہ اپنا فیصلہ خود کر سکتی ہے اور کنواری سے اجازت لینی چاہیے۔[10]

بنت خدام کے بارے میں روایت ہے کہ وہ بیوہ ہوئیں تو اُن کے والد نے اُن کا نکاح کر دیا۔ اُنھیں یہ فیصلہ پسند نہیں آیا۔ چنانچہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ نے اُنھیں نکاح ختم کرنے کی اجازت دے دی۔[11]

حقوق و فرائض

[۱]

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوۡنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعۡضَهُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ وَّبِمَآ اَنۡفَقُوۡا مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ، فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلۡغَيۡبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ، وَالّٰتِیۡ تَخَافُوۡنَ نُشُوۡزَهُنَّ فَعِظُوۡهُنَّ وَاهۡجُرُوۡهُنَّ فِی الۡمَضَاجِعِ وَاضۡرِبُوۡهُنَّ، فَاِنۡ اَطَعۡنَكُمۡ فَلَا تَبۡغُوۡا عَلَيۡهِنَّ سَبِيۡلًا، اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيۡرًا. (النساء ۴: ۳۴)

''مرد عورتوں پر قوام ہیں، اِس لیے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور اِس لیے کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ پھر جو نیک عورتیں ہیں، وہ فرماں بردار ہوتی ہیں، رازوں کی حفاظت کرتی ہیں، اِس بنا پر کہ اللہ نے بھی رازوں کی حفاظت کی ہے۔ اور جن سے تمھیں سرکشی کا اندیشہ ہو، اُنھیں نصیحت کرو، اور اُن کے بستروں میں اُنھیں تنہا چھوڑ دو اور (اِس پر بھی نہ مانیں تو) اُنھیں سزا دو۔ پھر اگر وہ اطاعت کریں تو اُن پر الزام کی راہ نہ ڈھونڈو۔ بے شک، اللہ بہت بلند ہے، وہ بہت بڑا ہے۔''

اِس آیت سے اوپر کے پیرے میں اللہ تعالیٰ نے یہ حقیقت واضح فرمائی ہے کہ انسان کے لیے جد و جہد اور مسابقت کا اصلی میدان اُس کی خلقی صفات نہیں ہیں، اِس لیے کہ خلقی صفات کے لحاظ سے بعض کو بعض پر فی الواقع ترجیح حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کو ذہنی، کسی کو جسمانی، کسی کو معاشی اور کسی کو معاشرتی برتری کے ساتھ پیدا کیا اور دوسروں کو اُس کے

---

[9] بخاری، رقم ۶۹۶۸۔

[10] مسلم، رقم ۳۴۷۶۔

[11] بخاری، رقم ۵۱۳۸۔

مسئلہ سب سے زیادہ اہمیت رکھنے والا مسئلہ ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے قدرتی امین ہیں۔ بالخصوص عورت کا مرتبہ تو یہ ہے کہ وہ مرد کے عیوب و محاسن، اُس کے گھر در، اُس کے اموال و املاک اور اُس کی عزت و ناموس، ہر چیز کی ایسی رازدان ہے کہ اگر وہ اُس کا پردہ چاک کرنے پر آ جائے تو مرد بالکل ہی ننگا ہو کر رہ جائے۔ اِس وجہ سے قرآن نے اِس صفت کا خاص طور پر ذکر فرمایا۔ اِس کے ساتھ 'حَفِظَ اللّٰهُ' کا جو اضافہ ہے، اُس سے اِس صفت کی عالی نسبی کا اظہار مقصود ہے کہ اُن کی اِس صفت پر خدا کی صفت کا ایک پرتو ہے، اِس لیے کہ خدا نے بھی اپنے بندوں اور بندیوں کے رازوں کی حفاظت فرمائی ہے۔ ورنہ وہ لوگوں کا پردہ چاک کرنے پر آ جاتا تو کون ہے جو کہیں منہ دکھانے کے قابل رہ جاتا۔'' (تدبر قرآن ۲/ ۲۹۲)

قرآن نے فرمایا ہے کہ صالح بیویوں کا رویہ ہمیشہ یہی ہوتا ہے۔ اِس سے یہ بات آپ سے آپ نکلی کہ جو عورتیں سرکشی اور تمرد اختیار کریں یا گھر کے راز دوسروں پر افشا کرتی پھریں، وہ خدا کی نگاہ میں ہرگز صالحات نہیں ہیں۔

لیکن کوئی عورت اگر اِس طرح کی سرکشی پر اتر ہی آئے تو مرد کیا اُس کی تادیب کر سکتا ہے؟ قرآن نے اِس کا جواب اثبات میں دیا ہے۔ آیۂ زیر بحث میں اِس سرکشی کے لیے 'نُشُوۡز' کا لفظ آیا ہے۔ اِس کے معنی سر اٹھانے کے ہیں، مگر اِس کا زیادہ استعمال اُس سرکشی اور شوریدہ سری کے لیے ہوتا ہے جو کسی عورت کی طرف سے اُس کے شوہر کے مقابل میں ظاہر ہو۔ یہ لفظ عورت کی ہر کوتاہی، غفلت یا بے پروائی یا اپنے ذوق اور رائے اور اپنی شخصیت کے اظہار کی فطری خواہش کے لیے نہیں بولا جاتا، بلکہ اُس رویے کے لیے بولا جاتا ہے، جب وہ شوہر کی قوامیت کو چیلنج کر کے گھر کے نظام کو بالکل تلپٹ کر دینے پر آمادہ نظر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ معاملہ یہاں تک پہنچ رہا ہو تو مرد اپنا گھر بچانے کے لیے تین صورتیں اختیار کر سکتا ہے۔

پہلی یہ کہ عورت کو نصیحت کی جائے۔ آیت میں اِس کے لیے 'وَعۡظ' کا لفظ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اِس میں کسی حد تک زجر و توبیخ بھی ہو سکتی ہے۔

دوسری یہ کہ اُس سے بے تکلفانہ قسم کا خلا ملا ترک کر دیا جائے تاکہ اُسے اندازہ ہو کہ اُس نے اپنا رویہ نہ بدلا تو اِس کے نتائج غیر معمولی ہو سکتے ہیں۔

تیسری یہ کہ عورت کو جسمانی سزا دی جائے۔ یہ سزا، ظاہر ہے کہ اتنی ہی ہو سکتی ہے جتنی کوئی معلم اپنے زیر تربیت شاگردوں کو یا کوئی باپ اپنی اولاد کو دیتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کی حد 'غیر مبرح'[13] کے الفاظ سے متعین فرمائی ہے۔ اِس کے معنی یہ ہیں کہ ایسی سزا نہ دی جائے جو کوئی پایدار اثر چھوڑے۔

آیت کے انداز بیان سے واضح ہے کہ اِن تینوں میں ترتیب و تدریج ملحوظ ہے۔ یعنی پہلی کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری صورت اُسی وقت اختیار کرنی چاہیے، جب آدمی مطمئن ہو جائے کہ بات نہیں بنی اور اگلا قدم اٹھانے کے سوا

---

[13] مسلم، رقم ۲۹۵۰۔

اجماع امت سے متعلق غامدی کا تضاد

قارئین کرام! دین اسلام ایک ایسی عمارت ہے کہ جس کی اگر ایک اینٹ کو بھی اپنی جگہ سے ہٹایا جائے تو اس ساری عمارت میں بگاڑ پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے اور یہ اسلام کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک اعجاز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی کوئی منکر اپنی طرف سے اسلام میں ردو بدل کی کوشش کرتا ہے تو وہ جانے انجانے میں خود ہی اپنے خلاف قول و فعل سرانجام دے دیتا ہے۔ مرزا غلام قادیانی نے بھی یہی سب کچھ کیا تو اس نے اپنی کتب میں اپنے ہی باطل عقائد کیخلاف دلائل دے کر اپنا رد خود ہی کر ڈالا اور پھر اپنی ہی تحریرات میں تضاد کا شکار ہو گیا۔ کچھ ایسی ہی صورتحال غامدی صاحب کی بھی ہے۔ موصوف پہلے اپنے اصول خود بناتے ہیں اور پھر اپنے ذاتی افکار کے نتیجے میں خود ہی اپنے بنائے ہوئے اصولوں کیخلاف عمل کر بیٹھتے ہیں۔ آیئے اسی حوالے سے غامدی صاحب کا اجماع امت کے متعلق بدترین تضاد ملاحظہ فرمائیں۔

غامدی صاحب نے اپنی کتاب "میزان" کے صفحہ 14 پر اپنے مخصوص تصور سنت کے نتیجے میں 26 اعمال ذکر کیے ہیں جو انکے مطابق دین کا خلاصہ ہیں اور ہمیں وہ سنت کے نتیجے میں ملتے ہیں۔

☆ ان میں پانچ اعمال عبادات سے تعلق رکھتے ہیں

☆ دو اعمال معاشرت سے تعلق رکھتے ہیں

☆ دو اعمال خور و نوش سے تعلق رکھتے ہیں

☆ اور سترہ اعمال رسوم و آداب سے تعلق رکھتے ہیں

(ملاحظہ فرمائیں میزان طبع پنجم دسمبر 2009 صفحہ 14)

قارئین کرام! غامدی صاحب اپنی کتاب "میزان" کے اسی صفحہ 14 پر سنت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ۔۔۔۔۔"یہ (سنت) اسی طرح ان کے اجماع اور قولی تواتر سے ملی ہے اور قرآن ہی کی طرح ہر دور میں مسلمانوں کے اجماع سے ثابت ہوتی ہے"۔یعنی سنت کا ثبوت گویا اجماع سے ملتا ہے. ناقل۔ **(ملاحظہ فرمائیں میزان طبع پنجم دسمبر 2009 صفحہ 14)**

اصول و مبادی

کیا ہے۔

سنت سے ہماری مراد دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی تجدید و اصلاح کے بعد اور اُس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔ قرآن میں آپ کو ملت ابراہیمی کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ روایت بھی اُسی کا حصہ ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا، وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. (النحل ۱۶: ۱۲۳) "پھر ہم نے تمھیں وحی کی کہ ملت ابراہیم کی پیروی کرو جو بالکل یک سو تھا اور مشرکوں میں سے نہیں تھا۔"

اس ذریعے سے جو دین ہمیں ملا ہے، وہ یہ ہے:

عبادات

۱۔ نماز۔ ۲۔ زکوۃ اور صدقۂ فطر۔ ۳۔ روزہ و اعتکاف۔ ۴۔ حج و عمرہ۔ ۵۔ قربانی اور ایام تشریق کی تکبیریں۔

معاشرت

۱۔ نکاح و طلاق اور اُن کے متعلقات۔ ۲۔ حیض و نفاس میں زن و شو کے تعلق سے اجتناب۔

خورونوش

۱۔ سؤر، خون، مردار اور خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیے گئے جانور کی حرمت۔ ۲۔ اللہ کا نام لے کر جانوروں کا تذکیہ۔

رسوم وآداب

۱۔ اللہ کا نام لے کر اور دائیں ہاتھ سے کھانا پینا۔ ۲۔ ملاقات کے موقع پر السلام علیکم اور اُس کا جواب۔ ۳۔ چھینک آنے پر الحمد للہ اور اُس کے جواب میں یرحمک اللہ۔ ۴۔ مونچھیں پست رکھنا۔ ۵۔ زیر ناف کے بال کاٹنا۔ ۶۔ بغل کے بال صاف کرنا۔ ۷۔ بڑھے ہوئے ناخن کاٹنا۔ ۸۔ لڑکوں کا ختنہ کرنا۔ ۹۔ ناک، منہ اور دانتوں کی صفائی۔ ۱۰۔ استنجا۔ ۱۱۔ حیض و نفاس کے بعد غسل۔ ۱۲۔ غسل جنابت۔ ۱۳۔ میت کا غسل۔ ۱۴۔ تجہیز و تکفین۔ ۱۵۔ تدفین۔ ۱۶۔ عید الفطر۔ ۱۷۔ عید الاضحی۔

سنت یہی ہے اور اس کے بارے میں یہ بالکل قطعی ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے اس میں اور قرآن مجید میں کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ جس طرح صحابہ کے اجماع اور قولی تواتر سے ملا ہے، یہ اسی طرح اُن کے اجماع اور عملی تواتر سے ملی ہے اور قرآن ہی کی طرح ہر دور میں مسلمانوں کے اجماع سے ثابت قرار پائی ہے۔ لہٰذا اس کے بارے میں اب کسی بحث و نزاع کے لیے کوئی گنجایش نہیں ہے۔

میزان ۱۴

مزید غامدی صاحب اپنی اسی کتاب "میزان کے صفحہ 60 پر لکھتے ہیں کہ۔۔۔۔" قرآن ہی کی طرح سنت کا ماخذ بھی اجماع ہے"۔

(ملاحظہ فرمائیں میزان طبع پنجم دسمبر 2009 صفحہ 60)

پھر غامدی صاحب اپنی اسی کتاب "میزان" کے صفحہ 639 پر (رسوم وآداب) کے عنوان کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ۔۔۔ "انکا ماخذ اب امت کا اجماع ہے اور یہ سب اسی بنیاد پر پوری امت میں ہر جگہ دین تسلیم کیے جاتے ہیں"۔ یعنی کہ یہ رسوم و آداب جو کہ سنت کے تناظر میں ہمیں ملی اور جو کہ دین کا حصہ ہے یہ سب امت کے اجماع سے ہی ثابت ہوتی ہے. ناقل۔

(ملاحظہ فرمائیں میزان طبع پنجم دسمبر 2009 صفحہ 639)

واضح کیا ہے کہ قرآن میں 'لَآ اَجِدُ فِیۡ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیَّ'[1] اور 'اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیۡکُمُ'[2] کی تحدید کے بعد یا اسی فطرت کا بیان ہے جس کے تحت انسان ہمیشہ سے جانتا ہے کہ شیر اور چیتے اور ہاتھی کوئی کھانے کی چیز ہیں اور نہ گھوڑے اور گدھے دستر خوان کی لذت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ اس طرح کی بعض دوسری چیزیں بھی روایتوں میں بیان ہوئی ہیں، انھیں بھی اسی ذیل میں سمجھنا چاہیے اور سنت سے الگ انسانی فطرت میں اُن کی اسی حیثیت سے پیش کرنا چاہیے۔

چھٹا اصول

چھٹا اصول یہ ہے کہ وہ چیزیں بھی سنت نہیں ہو سکتیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی رہنمائی کے لیے انھیں بتائی تو ہیں، لیکن اس رہنمائی کی نوعیت ہی پوری قطعیت کے ساتھ واضح کر دیتی ہے کہ انھیں سنت کے طور پر جاری کرنا آپ کے پیش نظر ہی نہیں ہے۔ اس کی ایک مثال نماز میں قعدے کے اذکار ہیں۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے لوگوں کو تشہد اور درود بھی سکھایا ہے اور اس موقع پر کرنے کے لیے دعاؤں کی تعلیم بھی دی ہے، لیکن یہی روایتیں واضح کر دیتی ہیں کہ ان میں سے کوئی چیز بھی نہ آپ نے بطور خود اس موقع کے لیے مقرر کی ہے اور نہ سکھانے کے بعد لوگوں کے لیے اُسے پڑھنا لازم قرار دیا ہے۔ یہ آپ کے پسندیدہ اذکار ہیں اور ان سے بہتر کوئی چیز تصور نہیں کی جا سکتی، لیکن اس معاملے میں آپ کا طرز عمل صاف بتاتا ہے کہ آپ لوگوں کو کسی بات کا پابند نہیں کرنا چاہتے، بلکہ انھیں یہ اختیار دینا چاہتے ہیں کہ وہ آپ کی سکھائی ہوئی یہ دعائیں بھی کر سکتے ہیں اور ان کی جگہ دعا و مناجات کے لیے کوئی اور طریقہ بھی اپنا سکتے ہیں۔ لہٰذا سنت صرف یہی ہے کہ ہر نماز کی دوسری اور آخری رکعت میں نماز پڑھنے والا دو زانو ہو کر قعدے کے لیے بیٹھے۔ اس کے علاوہ کوئی چیز بھی اس موقع پر سنت کی حیثیت سے مقرر نہیں کی گئی۔

ساتواں اصول

ساتواں اصول یہ ہے کہ جس طرح قرآن خبر واحد سے ثابت نہیں ہوتا، اسی طرح سنت بھی اس سے ثابت نہیں ہوتی۔ سنت کی حیثیت دین میں مستقل بالذات ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پورے اہتمام، پوری حفاظت اور پوری قطعیت کے ساتھ انسانوں تک پہنچانے کے مکلف تھے۔ اخبار آحاد کی طرح اسے لوگوں کے فیصلے پر نہیں چھوڑا جا سکتا تھا کہ وہ چاہیں تو اسے آگے منتقل کریں اور چاہیں تو نہ کریں۔ لہٰذا قرآن ہی کی طرح سنت کا ماخذ بھی امت کا اجماع ہے اور وہ جس طرح صحابہ کے اجماع اور قولی تواتر سے امت کو ملا ہے، اسی طرح یہ اُن کے اجماع اور عملی تواتر سے ملی ہے۔ اس سے

[1] الانعام ۶: ۱۴۵۔

[2] البقرہ ۲: ۱۷۳۔

جاوید احمد غامدی

میزان

المورد

ادارۂ علم و تحقیق

رسوم و آداب

انسان کی تہذیب نفس رہن سہن کے جن طریقوں اور تمدن کے جن مظاہر سے نمایاں ہوتی ہے، انھیں ہم اصطلاح میں رسوم و آداب کہتے ہیں۔ انسانی معاشرت کا کوئی دور ان رسوم و آداب سے خالی نہیں رہا۔ انھیں ہم ہر قبیلے، ہر قوم اور ہر تہذیب میں یکساں رائج اور ایک عمومی دستور کی حیثیت سے یکساں جاری دیکھتے ہیں۔ اقوام و ملل کی پہچان ایک دوسرے کے مقابلے میں زیادہ تر انھی سے قائم ہوتی ہے۔ انبیا علیہم السلام جو دین لے کر آئے ہیں، وہ بھی اپنے ماننے والوں کو بعض رسوم و آداب کا پابند کرتا ہے۔ دین کا مقصد تزکیۂ نفس ہے، لہٰذا دین کے یہ رسوم و آداب بھی اسی مقصد کو سامنے رکھ کر مقرر کیے گئے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو ان میں سے زیادہ تر دین ابراہیمی کی روایت کے طور پر عرب میں رائج تھے۔ چند چیزوں کے سوا آپ نے ان میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ یہ قرآن سے پہلے ہیں اور ان کی حیثیت ایک سنت کی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر و تصویب کے بعد صحابۂ کرام کے اجماع اور تواتر عملی سے امت کو منتقل ہوئی ہے۔ ان کا ماخذ اب امت کا اجماع ہے اور یہ سب اسی بنیاد پر پوری امت میں ہر جگہ دین تسلیم کیے جاتے ہیں۔ انبیا علیہم السلام کے مقرر کردہ یہی رسوم و آداب ہم تفصیل کے ساتھ یہاں بیان کریں گے۔

۱۔ اللہ کا نام لے کر اور دائیں ہاتھ سے کھانا پینا۔

ان میں سے پہلی چیز اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے اعتراف و اقرار اور اُن میں برکت کی دعا کے لیے ہے اور دوسری چیز اس حقیقت کی ہمہ وقت یاد دہانی کے لیے کہ جنت کی نعمتیں قیامت کے دن جن لوگوں کو ملیں گی، اُن کا نامۂ اعمال اُن کے دائیں ہاتھ میں پکڑایا جائے گا۔ بندۂ مومن جب اس طرح کے مواقع پر دائیں کی رعایت کرتا ہے تو یہ گویا اُس کی طرف سے ایک طرح کا علامتی اظہار ہوتا ہے کہ قیامت میں بھی وہ اصحاب الیمین ہی کے زمرے میں شامل ہونا چاہتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں انبیا علیہم السلام کی اس سنت پر عمل پیرا ہونے کی تاکید اس طرح فرمائی ہے:
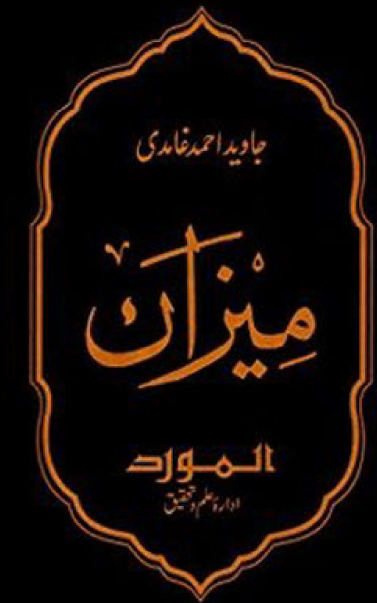
غامدی صاحب نے اپنی کتاب "میزان" کے صفحہ 14، 60، اور 639 پر سنت کے حوالے سے یہی لکھا ہے کہ یہ امت کے اجماع سے ہی ثابت ہوتی ہے اور قرآن ہی کی طرح سنت کا ماخذ بھی امت کا اجماع ہے۔

قارئین کرام! اب آپ تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ فرمائیں

غامدی صاحب اجماع کو دین کا مصدر قرار دینے کے حوالے سے اپنی کتاب "مقامات" کے صفحہ 157 پر لکھتے ہیں کہ۔۔۔۔۔۔۔"دین کے ماخذ میں یہ اضافہ یقیناً ایک بدعت ہے"۔یعنی اجماع ایک بدعت ہے. ناقل۔

(ملاحظہ فرمائیں مقامات طبع سوم جولائی 2014 صفحہ 157)

مزید غامدی صاحب آگے بڑھتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔۔۔۔۔"عام طور پر فقہاء نے اجماع (consensus) کو شریعت کا ایک مستقل مصدر قرار دیا ہے، مگر یہ یقینی طور پر ایک بے بنیاد نظریہ ہے"۔یعنی اجماع ایک بے بنیاد نظریہ ہے. ناقل۔

4

دین ودانش

شریعت کا ایک مصدر یہ اجماع بھی ہے۔

دین کے ماخذ میں یہ اضافہ یقیناً ایک بدعت ہے۔ قرآن وسنت کے نصوص میں اس کے لیے کوئی بنیاد تلاش نہیں کی جا سکتی۔ اس کے اثرات کا جائزہ لیجیے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اس سے اسلامی شریعت کی ابدیت مجروح ہوئی اور دور جدید کی نسبت سے اس کا تعلق (relevance) ثابت کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ برصغیر کے جلیل القدر عالم اور داعی مولانا وحید الدین خان لکھتے ہیں:

''عام طور پر فقہا نے اجماع (consensus) کو شریعت کا ایک مستقل مصدر قرار دیا ہے، مگر یہ یقینی طور پر ایک بے بنیاد نظریہ ہے۔ شریعت کا مستقل مصدر صرف کوئی نص قطعی ہو سکتا ہے۔ نص قطعی کی غیر موجودگی میں کسی چیز کو شریعت کا مستقل مصدر قرار دینا یقینی طور پر ایک بے بنیاد بات ہے۔ اجماع کی بلاشبہ ایک اہمیت ہے، لیکن وہ اہمیت صرف یہ ہے کہ کسی خاص موقع پر اجماع کسی پیش آمدہ مسئلے کا ایک عملی حل ہوتا ہے۔ یہ حل یقینی طور پر ایک وقتی حل ہوتا ہے، نہ کہ شریعت کا ابدی مصدر۔'' (الرسالہ ۷/۲۰۱۱ء)

فقہا جن دلائل سے اجماع کی حجیت ثابت کرتے ہیں، اُن کی حقیقت اگر کوئی شخص سمجھنا چاہے تو اُسے امام شوکانی کی ''ارشاد الفحول'' دیکھنی چاہیے۔ اس پر واضح ہو جائے گا کہ یہ کس قدر بے معنی اور غیر متعلق ہیں۔ قرآن مجید کی ایک آیت اور ایک حدیث، البتہ ایسی ہے جس سے استدلال بعض لوگوں کے لیے باعث تردد ہو سکتا

مقامات ۱۵۷

1: اب ایک طرف غامدی صاحب کے نزدیک سنت اجماع سے ثابت ہوتی ہے اور قرآن کی طرح سنت کا ماخذ بھی اجماع امت ہے۔

2: دوسری طرف غامدی صاحب کے نزدیک اجماع ایک بدعت اور بے بنیاد نظریہ ہے جو کہ شریعت کا کوئی مستقل مصدر نہیں ہے۔

اب غامدی صاحب اور انکے سٹوڈنٹس غور فرمائیں کہ۔۔۔جب اجماع کو دین کا ماخذ قرار دینا ایک بدعت ہوئی اور غامدی صاحب کے ہی بقول اجماع کو شریعت کا مستقل مصدر قرار دینا ایک بے بنیاد نظریہ ہوا تو پھر دوسری طرف غامدی صاحب کی کتاب "میزان" کے صفحہ 14 پر دین کے جو 26 اعمال سنت بتائے گئے ہیں ان تمام اعمال سنت کا ماخذ غامدی صاحب نے اجماع کو ہی قرار دیا ہوا ہے۔۔۔۔۔تو پھر جب اجماع بدعت اور بے بنیاد نظریہ ہے جیسا کہ غامدی صاحب نے اپنی کتاب مقامات میں لکھا بھی ہوا ہے تو وہ سارے کے سارے اعمال سنت کا ثبوت کس بنیاد پر ہوا؟ جن کو غامدی صاحب نے اپنی کتاب میزان میں درج کیا ہے۔پھر تو وہ سارے کے سارے اعمال ضائع ہو گئے۔

قارئین کرام! چونکہ غامدی صاحب نے اپنے ذاتی افکار اور محدود مطالعہ کے نتیجہ میں اسلام کو ایک نئے انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی اسکا نتیجہ آپ کے سامنے ہے کہ غامدی صاحب خود ہی اپنی تحریرات میں بدترین تضاد کے شکار ہوئے پڑے ہیں کہ انکی اپنی ایک بات انکی ہی دوسری بات کو مسترد کر دیتی ہے جسکا نقصان دین اسلام اور غامدی صاحب کے مقلدین کو ہی ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں ایسے فتنوں سے اپنی پناہ میں رکھے اور ایمان پر خاتمہ نصیب فرمائے آمین ثم آمین۔

☆☆☆☆☆☆☆

غامدی کی عدم تحقیق یا علمی خیانت ؟

قارئین کرام! جاوید احمد غامدی صاحب نے اپنی کتاب "میزان" کے صفحہ 14 پر سنت کا تصور پیش کرتے ہوئے اس سنت کے ذریعہ سے حاصل ہونے والے دین کے 26 اعمال کا ذکر کیا ہے۔ غامدی صاحب نے ان 26 دینی اعمالِ سنت میں سے بعض اعمال کو سنت ابراہیمی ثابت کرنے کے لیے اپنی کتاب "میزان" کے صفحہ "641" پر سید جواد علی صاحب کی کتاب "المفصل فی تاریخ العرب" کا حوالہ دیا ہے جو کہ قریباً 50 سال قبل تصنیف کی گئی۔

کیا ہے۔

سنت سے ہماری مراد دینِ ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی تجدید و اصلاح کے بعد اور اُس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔ قرآن میں آپ کو ملت ابراہیمی کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ روایت بھی اُسی کا حصہ ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا، وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ. (النحل ١٦: ١٢٣)

"پھر ہم نے تمھیں وحی کی کہ ملت ابراہیم کی پیروی کرو جو بالکل یک سو تھا اور مشرکوں میں سے نہیں تھا۔"

اس ذریعے سے جو دین ہمیں ملا ہے، وہ یہ ہے:

عبادات

۱۔ نماز۔ ۲۔ زکوٰۃ اور صدقۂ فطر۔ ۳۔ روزہ و اعتکاف۔ ۴۔ حج و عمرہ۔ ۵۔ قربانی اور ایام تشریق کی تکبیریں۔

معاشرت

۱۔ نکاح و طلاق اور اُن کے متعلقات۔ ۲۔ حیض و نفاس میں زن و شو کے تعلق سے اجتناب۔

خورونوش

۱۔ سؤر، خون، مردار اور خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیے گئے جانور کی حرمت۔ ۲۔ اللہ کا نام لے کر جانوروں کا تذکیہ۔

رسوم و آداب

۱۔ اللہ کا نام لے کر اور دائیں ہاتھ سے کھانا پینا۔ ۲۔ ملاقات کے موقع پر السلام علیکم اور اُس کا جواب۔ ۳۔ چھینک آنے پر الحمد للہ اور اُس کے جواب میں یرحمک اللہ۔ ۴۔ مونچھیں پست رکھنا۔ ۵۔ زیر ناف کے بال کاٹنا۔ ۶۔ بغل کے بال صاف کرنا۔ ۷۔ بڑھے ہوئے ناخن کاٹنا۔ ۸۔ لڑکوں کا ختنہ کرنا۔ ۹۔ ناک، منہ اور دانتوں کی صفائی۔ ۱۰۔ استنجا۔ ۱۱۔ حیض و نفاس کے بعد غسل۔ ۱۲۔ غسل جنابت۔ ۱۳۔ میت کا غسل۔ ۱۴۔ تجہیز و تکفین۔ ۱۵۔ تدفین۔ ۱۶۔ عید الفطر۔ ۱۷۔ عید الاضحیٰ۔

سنت یہی ہے اور اس کے بارے میں یہ بالکل قطعی ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے اس میں اور قرآن مجید میں کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ جس طرح صحابہ کے اجماع اور قولی تواتر سے ملا ہے، یہ اسی طرح اُن کے اجماع اور عملی تواتر سے ملی ہے اور قرآن ہی کی طرح ہر دور میں مسلمانوں کے اجماع سے ثابت قرار پائی ہے، لہٰذا اس کے بارے میں اب کسی بحث و نزاع کے لیے کوئی گنجایش نہیں ہے۔

2

۸۔ لڑکوں کا ختنہ کرنا۔

یہ پانچوں چیزیں آداب کے قبیل سے ہیں۔ بڑی بڑی مونچھیں انسان کی ہیئت میں ایک نوعیت کا متکبرانہ تاثر پیدا کرتی ہیں۔ پھر کھانے اور پینے کی اشیا منہ میں ڈالتے ہوئے اُن سے آلودہ بھی ہو جاتی ہیں۔ بڑھے ہوئے ناخن میل کچیل کو اپنے اندر سمیٹنے کے علاوہ درندوں کے ساتھ مشابہت کا تاثر نمایاں کرتے ہیں۔ چنانچہ ہدایت کی گئی کہ مونچھیں پست ہوں اور بڑھے ہوئے ناخن کاٹ دیے جائیں۔ باقی سب چیزیں بدن کی طہارت کے لیے ضروری ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا اس قدر اہتمام تھا کہ اِن میں سے بعض کے لیے آپ نے وقت کی تحدید فرمائی ہے۔ سیدنا انس کی روایت ہے:

وقت لنا فی قص الشارب وتقليم الاظفار ونتف الابط وحلق العانة ان لا نترك اكثر من اربعين ليلة. (مسلم، رقم ۵۹۹)	''ہمارے لیے مونچھیں اور ناخن کاٹنے، بغل کے بال صاف کرنے اور زیرناف کے بال مونڈنے کا وقت مقرر کیا گیا کہ اُن پر چالیس دن سے زیادہ نہیں گزرنے چاہییں۔''

زمانۂ بعثت سے پہلے بھی عرب بالعموم ان پر عمل پیرا تھے۔[۴] یہ سنن فطرت ہیں جنھیں انبیا علیہم السلام نے تزکیہ و تطہیر کے لیے ان کی اہمیت کے پیش نظر دین کا لازمی جز بنا دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

الفطرة خمس: الختان والاستحداد وقص الشارب وتقليم الاظفار ونتف الآباط. (بخاری، رقم ۵۸۹۱)	''پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں: ختنہ کرنا، زیرناف کے بال مونڈنا، مونچھیں پست رکھنا، بڑھے ہوئے ناخن کاٹنا اور بغلوں کے بال صاف کرنا۔''

۹۔ ناک، منہ اور دانتوں کی صفائی۔

انبیا علیہم السلام اپنے ماننے والوں میں پاکیزگی اور طہارت کا جو ذوق پیدا کرنا چاہتے ہیں، یہ اُسی کا تقاضا ہے کہ اس صفائی کو بھی اُنھوں نے ایک سنت کی حیثیت دی ہے۔ تاریخ میں اس کا ذکر اہل عرب کے دینی شعار کے طور پر ہوتا ہے۔[۵] نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی جو روایت امت کو منتقل ہوئی ہے، اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر وضو کے موقع پر آپ نہایت اہتمام کے ساتھ مضمضہ[۶] اور استنشاق[۷] کرتے تھے۔ دانتوں کی صفائی کا بھی آپ کو ایسا ہی اہتمام تھا۔ یہاں تک کہ آپ نے فرمایا:

---

[۴] المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جواد علی ۶/۳۴۶۔
[۵] المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جواد علی ۶/۳۴۶۔
[۶] منہ کی صفائی کے لیے اُس میں پانی پھرانا۔
[۷] ناک صاف کرنے کے لیے اُس میں پانی ڈالنا۔

جاوید احمد غامدی

مِیزان

المورد

ادارۂ علم و تحقیق

3

رسوم وآداب

۸۔ لڑکوں کا ختنہ کرنا۔

یہ پانچوں چیزیں آداب کے قبیل سے ہیں۔ بڑی بڑی مونچھیں انسان کی ہیئت میں ایک نوعیت کا متکبرانہ تاثر پیدا کرتی ہیں۔ پھر کھانے اور پینے کی اشیا منہ میں ڈالتے ہوئے اُن سے آلودہ بھی ہو جاتی ہیں۔ بڑھے ہوئے ناخن میل کچیل کو اپنے اندر سمیٹنے کے علاوہ درندوں کے ساتھ مشابہت کا تاثر نمایاں کرتے ہیں۔ چنانچہ ہدایت کی گئی کہ مونچھیں پست ہوں اور بڑھے ہوئے ناخن کاٹ دیے جائیں۔ باقی سب چیزیں بدن کی طہارت کے لیے ضروری ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا اس قدر اہتمام تھا کہ اِن میں سے بعض کے لیے آپ نے وقت کی تحدید فرمائی ہے۔ سیدنا انس کی روایت ہے:

وقت لنا فی قص الشارب وتقليم الاظفار ونتف الابط وحلق العانة ان لا نترك اكثر من اربعين ليلة. (مسلم، رقم ۵۹۹)
''ہمارے لیے مونچھیں اور ناخن کاٹنے، بغل کے بال صاف کرنے اور زیرناف کے بال مونڈنے کا وقت مقرر کیا گیا کہ اُن پر چالیس دن سے زیادہ نہیں گزرنے چاہییں۔''

زمانۂ بعثت سے پہلے بھی عرب بالعموم ان پر عمل پیرا تھے۔[۴] یہ سنن فطرت ہیں جنھیں انبیا علیہم السلام نے تزکیہ و تطہیر کے لیے ان کی اہمیت کے پیش نظر دین کا لازمی جز بنا دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

الفطرة خمس: الختان والاستحداد وقص الشارب وتقليم الاظفار ونتف الآباط. (بخاری، رقم ۵۸۹۱)
''پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں: ختنہ کرنا، زیرناف کے بال مونڈنا، مونچھیں پست رکھنا، بڑھے ہوئے ناخن کاٹنا اور بغلوں کے بال صاف کرنا۔''

۹۔ ناک، منہ اور دانتوں کی صفائی۔

انبیا علیہم السلام اپنے ماننے والوں میں پاکیزگی اور طہارت کا جو ذوق پیدا کرنا چاہتے ہیں، یہ اُسی کا تقاضا ہے کہ اس صفائی کو بھی اُنھوں نے ایک سنت کی حیثیت دی ہے۔ تاریخ میں اس کا ذکر اہل عرب کے دینی شعار کے طور پر ہوتا ہے۔[۵] نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی جو روایت امت کو منتقل ہوئی ہے، اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر وضو کے موقع پر آپ نہایت اہتمام کے ساتھ مضمضہ[۶] اور استنشاق[۷] کرتے تھے۔ دانتوں کی صفائی کا بھی آپ کو ایسا ہی اہتمام تھا۔ یہاں تک کہ آپ نے فرمایا:

[۴] المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جواد علی ۶/۳۴۶۔
[۵] المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جواد علی ۶/۳۴۶۔
[۶] منہ کی صفائی کے لیے اُس میں پانی پھرانا۔
[۷] ناک صاف کرنے کے لیے اُس میں پانی ڈالنا۔

میزان ۶۳۱

کیا ہے۔

سنت سے ہماری مراد دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی تجدید و اصلاح کے بعد اور اُس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔ قرآن میں آپ کو ملت ابراہیمی کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ روایت بھی اُسی کا حصہ ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا، وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. (النحل ۱۶: ۱۲۳)	''پھر ہم نے تمھیں وحی کی کہ ملت ابراہیم کی پیروی کرو جو بالکل یک سو تھا اور مشرکوں میں سے نہیں تھا۔''

اس ذریعے سے جو دین ہمیں ملا ہے، وہ یہ ہے:

عبادات

۱۔ نماز۔ ۲۔ زکوٰۃ اور صدقۂ فطر۔ ۳۔ روزہ و اعتکاف۔ ۴۔ حج و عمرہ۔ ۵۔ قربانی اور ایام تشریق کی تکبیریں۔

معاشرت

۱۔ نکاح و طلاق اور اُن کے متعلقات۔ ۲۔ حیض و نفاس میں زن و شو کے تعلق سے اجتناب۔

خور و نوش

۱۔ سؤر، خون، مردار اور خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیے گئے جانور کی حرمت۔ ۲۔ اللہ کا نام لے کر جانوروں کا تذکیہ۔

رسوم وآداب

۱۔ اللہ کا نام لے کر اور دائیں ہاتھ سے کھانا پینا۔ ۲۔ ملاقات کے موقع پر السلام علیکم اور اُس کا جواب۔ ۳۔ چھینک آنے پر الحمد للہ اور اُس کے جواب میں یرحمک اللہ۔ ۴۔ مونچھیں پست رکھنا۔ ۵۔ زیرناف کے بال کاٹنا۔ ۶۔ بغل کے بال صاف کرنا۔ ۷۔ بڑھے ہوئے ناخن کاٹنا۔ ۸۔ لڑکوں کا ختنہ کرنا۔ ۹۔ ناک، منہ اور دانتوں کی صفائی۔ ۱۰۔ استنجا۔ ۱۱۔ حیض و نفاس کے بعد غسل۔ ۱۲۔ غسل جنابت۔ ۱۳۔ میت کا غسل۔ ۱۴۔ تجہیز و تکفین۔ ۱۵۔ تدفین۔ ۱۶۔ عید الفطر۔ ۱۷۔ عید الاضحی۔

سنت یہی ہے اور اس کے بارے میں یہ بالکل قطعی ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے اس میں اور قرآن مجید میں کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ جس طرح صحابہ کے اجماع اور قولی تواتر سے ملا ہے، یہ اسی طرح اُن کے اجماع اور عملی تواتر سے ملی ہے اور قرآن ہی کی طرح ہر دور میں مسلمانوں کے اجماع سے ثابت قرار پائی ہے، لہٰذا اس کے بارے میں اب کسی بحث و نزاع کے لیے کوئی گنجایش نہیں ہے۔

قارئین کرام! غامدی صاحب نے بعض دینی اعمال کو سنت ابراہیمی ثابت کرنے کے لیے جواد علی صاحب کی کتاب "المفصل فی تاریخ العرب" کا حوالہ تو دے دیا جبکہ۔۔۔اسی کتاب "المفصل فی تاریخ العرب" میں ہی "داڑھی" کو بھی سنت ابراہیمی میں شمار کیا گیا ہے لیکن غامدی صاحب نے اس کو چھوڑ دیا۔

(دیکھیے المفصل فی تاریخ العرب جلد 4 صفحہ 610)

اللحى الفرنسية . ويصرف بعض الوقت لاصلاحها حتى لا تكون متناثرة بشعة ، وقد يعير الانسان بلحيته ، فيقال : له لحية تيس . وتنسب عادة اكرام اللحى الى سنن ابراهيم . وقد تكون اللحية كثة كبيرة منتظمة . ويقال الرجل ذي اللحية الطويلة : (اللحياني) و (رجل لحيان) [1] .

ويحلف العربي بشاربه ، فاذا اراد اعطاء عهد او جوار او اي عهد آخر واقسم بشاربه ، وجب عليه الوفاء بعهده . ومن عادة العرب تخفيف الشارب ، وقد تحف وتنسب هذه العادة الى سنن ابراهيم ، ومن السنن الاخرى تقليم الاظافر وحلق العانة [2] . وذكر ان الرسول كان يقص شاربه وأنه قال : قصوا الشوارب وأرخوا اللحى وخالفوا المجوس . وورد انه قال : (خالفوا المشركين ووفرو اللحى وأحفوا الشوارب) [3] .

ويعدّ قص الشارب من (الفطرة) . وهي عشرة او خمسة امور [4] . يذكرون انها من سنن ابراهيم ومن اتبعه من العرب . وفي جملتها الختان .

ويذكر العلماء ان الله ابتلى (ابراهيم) بسنن الفطرة ، وهي التي ذُكرت في القرآن في قوله تعالى : (وإذِ ابتلى إبراهيمَ ربُّهُ بكلمات فأتمّهنّ) [5] ، وهي الكلمات العشر : خمس في الرأس ، وخمس في الجسد . فأما التي في الرأس فالمضمضة والاستنشاق وقصّ الشارب والفرق والسواك . وأما التي في الجسد فالاستنجاء وتقليم الاظافر ونتف الإبط وحلق العانة والختان . فلمّا جاء الاسلام ، قرّرها سنة من السنن [6] .

والعرب من أصحاب الشعور السوداء . وهـم مثل غيرهم يفاخرون بشعر

١ تاج العروس (٣٢٤/١٠) ، (لحى) .
٢ القسطلاني ، ارشاد الساري (١٦١/٢) .
٣ زاد المعاد (٤٥/١ وما بعدها) .
٤ زاد المعاد (٤٤/١ وما بعدها) .
٥ البقرة ، الآية ١٢٤ .
٦ بلوغ الأرب (٢٨٧/٢) .

اب ہمارے غامدی صاحب اوران کے سٹوڈنٹس سے چند سوالات ہیں کہ۔۔۔

(۱) کیا وجہ تھی جو غامدی صاحب نے اسی کتاب "المفصل فی تاریخ العرب" میں سے باقی اعمال کو تو سنت ابراہیمی ثابت کرنے کے لیے چن لیا لیکن "داڑھی" کو چھوڑ دیا جو کہ اسی کتاب میں سنت ابراہیمی میں شمار ہے۔

(۲) کیا تاریخ کی کتاب سے اپنی پسند کے اعمال کو سنت ابراہیمی ثابت کرنے کے لیے لے لینا اور داڑھی کو چھوڑ دینے کو غامدی صاحب کا دہرا معیار یا انکی علمی خیانت کہہ سکتے ہیں؟

(۳) غامدی صاحب مونچھوں کو پست کروانے کو تو سنت میں شمار کرتے ہیں لیکن داڑھی کو چھوڑ دیتے ہیں جبکہ احادیث کی جن امہات کتب میں مونچھوں کو پست کروانے کا حکم ہے ساتھ ہی اسکے داڑھی کو بڑھانے کا بھی حکم ہے۔۔۔پھر کیا وجہ ہے کہ غامدی صاحب احادیث مبارکہ کے آدھے حصہ کو تو تسلم کرتے ہیں لیکن آدھے کا انکار کر دیتے ہیں؟

(۴) اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی سورۃ احزاب کی آیت 36 میں ارشاد فرماتے ہیں جسکا مفہوم ہے کہ۔۔۔اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ یا حکم کے بعد کسی مومن مرد کے لیے یہ گنجائش ہے اور نہ مومن عورت کے لیے کہ انکو اپنے معاملے میں کوئی اختیار باقی رہے (مفہوم)۔

اللہ تعالیٰ کے اس واضح حکم کے بعد غامدی صاحب کو یہ اختیار کس نے دے دیا کہ وہ اپنی طرف سے احادیث رسول کے آدھے حصہ کو تو تسلیم کریں لیکن آدھے کا انکار کر دیں!!!

(۵) غامدی صاحب اپنے عقائد کی تائید کے لیے تو تاریخی کتب سے استدلال کر لیتے ہیں لیکن اپنے مخالفین کے عقائد کے لیے اجماع اور تواتر کی شرط لگاتے ہیں۔۔۔تو کیا ہم بجا طور پر یہ پوچھ سکتے ہیں کہ۔۔۔۔۔۔سنت ابراہیمی کے حوالے سے غامدی صاحب کے پاس کونسے اجماع اور تواتر کی دلیل ہے؟ یعنی کہ غامدی صاحب جن اعمال کو سنت ابراہیمی ثابت کرتے ہیں اس کے لیے غامدی صاحب کے پاس کیا ثبوت ہے کہ وہی اعمال حضرت ابراہیم علیہ سلام سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم تک تواتر کیساتھ منتقل ہوئے؟؟؟

نوٹ: یاد رکھیے سوال نمبر 5 کا جواب غامدی صاحب اوران کے سٹوڈنٹس کے لیے احادیث کے متعلق ان کے عقائد و نظریات کی جڑ کا کام کرتا ہے۔

قراءات اور جمع قرآن کی بابت غامدی کی علمی خیانت اور دہرے معیار

ابوعبدالرحمٰن السلمی اور امام زرکشی رحمتہ اللہ علیہم کی بابت علمی خیانت

قارئین کرام! ہمارے ہاں عام طور پر جس قراءت کو پڑھا جاتا ہے وہ امام حفص کی روایت کردہ قراءت ہے اس کے علاوہ دیگر قراءات جو مختلف ممالک میں پڑھی جاتی ہیں ان کے متعلق غامدی صاحب کا کہنا ہے کہ "یہ باقی قراءات قرآن نہیں بلکہ عجم کا فتنہ ہیں اور قرآن کی صرف ایک ہی قراءت ہے"۔

اس سلسلہ میں غامدی صاحب نے اپنی کتاب میزان کے صفحہ 28 اور 29 پر ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ کا قول اپنے مؤقف کی تائید میں پیش کیا ہے۔ اس پر ہم آپ کے سامنے پانچ گزارشات پیش کریں گے جس کی روشنی میں آپ حضرات غامدی صاحب کی علمی دیانت اور تحقیق و ریسرچ کا معیار بخوبی جان سکیں گے، ملاحظہ فرمائیں.....

غامدی صاحب نے قراءت کے حوالے سے اپنے مؤقف کی تائید میں امام زرکشی رحمہ اللہ کی کتاب سے ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ کا نامکمل قول پیش کیا جو کہ موصوف کی علمی خیانت ہے۔ سب سے پہلے غامدی صاحب کا وہ نقل شدہ قول ملاحظہ فرمائیں..... " ابوبکر و عمر، عثمان، زید بن ثابت اور تمام مہاجرین و انصار کی قراءت ایک ہی تھی۔ وہ قراءت عامہ کے مطابق قرآن پڑھتے تھے۔ یہ وہی قراءت ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی وفات کے سال جبریل امین کو دو مرتبہ قرآن سنایا۔ عرضۂ اخیرہ کی اِس قراءت میں زید بن ثابت بھی موجود تھے۔ دنیا سے رخصت ہونے تک وہ لوگوں کو اسی کے مطابق قرآن پڑھاتے تھے (البرہان، الزرکشی ۱/۱۴۲)۔"

(ملاحظہ فرمائیں میزان طبع پنجم دسمبر 2009 صفحہ 28، 29)

قارئین کرام! غامدی صاحب نے ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ کی جو عبارت نقل کی ہے اب اس کا آخری اور مکمل حصہ ملاحظہ فرمائیں......"ولذلک اعتمدہ الصدیق فی جمعہ وولاہ عثمان کتبۃ المصحف۔"

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی اسی اہمیت کے پیش نظر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن کے جمع کرنے پر ان پر اعتماد کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی قرآن پاک لکھنے میں انکو نگران بنایا" (مفہوم)

(ملاحظہ فرمائیں البرہان فی علوم القرآن، امام زرکشی صفحہ 331)

اصول و مبادی

ہوگی۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تحت اس میں سے کوئی چیز اگر ختم کرنا چاہیں گے تو اُسے ختم کرنے کے بعد یہ آپ کو اس طرح پڑھا دیں گے کہ اس میں کسی سہو و نسیان کا کوئی امکان باقی نہ رہے گا اور اپنی آخری صورت میں یہ بالکل محفوظ آپ کے حوالے کر دیا جائے گا۔

ثانیاً، آپ کو بتایا گیا ہے کہ یہ دوسری قراءت قرآن کو جمع کر کے ایک کتاب کی صورت میں مرتب کر دینے کے بعد کی جائے گی اور اس کے ساتھ ہی آپ اس بات کے پابند ہو جائیں گے کہ آئندہ اسی قراءت کی پیروی کریں۔ اس کے بعد اس سے پہلے کی قراءت کے مطابق اس کو پڑھنا آپ کے لیے جائز نہ ہوگا۔

ثالثاً، یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن کے کسی حکم سے متعلق اگر شرح و وضاحت کی ضرورت ہوگی تو وہ بھی اس موقع پر کر دی جائے گی اور اس طرح یہ کتاب خود اس کے نازل کرنے والے ہی کی طرف سے جمع و ترتیب اور تفہیم و تبیین کے بعد ہر لحاظ سے مکمل ہو جائے گی۔

قرآن کی یہی آخری قراءت ہے جسے اصطلاح میں "عرضۂ اخیرہ" کی قراءت کہا جاتا ہے۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جبریل امین ہر سال جتنا قرآن نازل ہو جاتا تھا، رمضان کے مہینے میں اُسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھ کر سناتے تھے۔ آپ کی زندگی کے آخری سال میں، جب یہ عرضۂ اخیرہ کی قراءت ہوئی تو انھوں نے اسے دو مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھ کر سنایا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کان یعرض علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم القرآن کل عام مرۃ، فعرض علیہ مرتین فی العام الذی قبض فیہ (بخاری، رقم ۴۹۹۸)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر سال ایک مرتبہ قرآن پڑھ کر سنایا جاتا تھا، لیکن آپ کی وفات کے سال یہ دو مرتبہ آپ کو سنایا گیا۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ کی قراءت یہی تھی۔ آپ کے بعد خلفائے راشدین اور تمام صحابۂ مہاجرین و انصار اسی کے مطابق قرآن کی تلاوت کرتے تھے۔ اس معاملے میں اُن کے درمیان کوئی اختلاف نہ تھا۔ بعد میں یہی قراءت "قراءت عامہ" کہلائی۔ ابوعبدالرحمن السلمی کی روایت ہے:

کانت قراءۃ ابی بکر و عمر و عثمان و زید بن ثابت والمهاجرین والانصار واحدۃ کانوا یقرءون القراءۃ العامۃ وھی القراءۃ التی قرأھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی جبریل مرتین فی العام الذی قبض فیہ، وکان زید قد شھد العرضۃ الاخیرۃ وکان یقرئ الناس بھا حتی مات.

(البرہان، الزرکشی ۳۳۱/۱)

"ابوبکر و عمر، عثمان، زید بن ثابت اور تمام مہاجرین و انصار کی قراءت ایک ہی تھی۔ وہ قراءت عامہ کے مطابق قرآن پڑھتے تھے۔ یہ وہی قراءت ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے سال جبریل امین کو دو مرتبہ قرآن سنایا۔ عرضۂ اخیرہ کی اس قراءت میں زید بن ثابت بھی موجود تھے۔ دنیا سے رخصت ہونے تک وہ لوگوں کو اسی کے مطابق قرآن پڑھاتے تھے۔"

میزان ۲۸ — میزان ۲۹

1

2
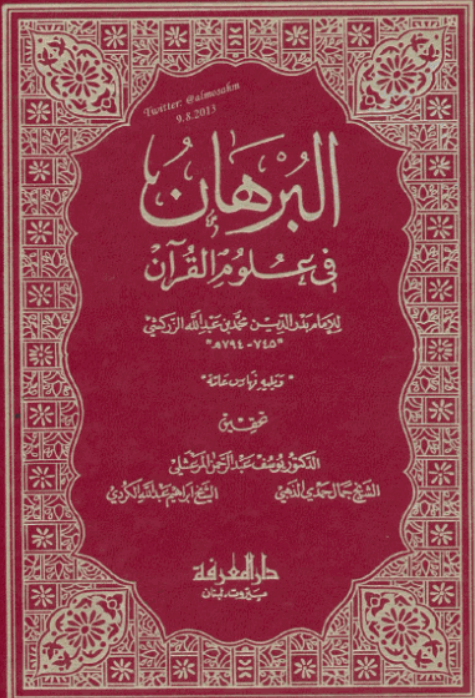
(البقرة : ١٨٥) وقال تعالى : ﴿ إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴾ (القدر : ١) ، ثم كان ينزل مفرّقًا على رسول الله ﷺ مدة حياته عند الحاجة ؛ كما قال تعالى : ﴿ وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنزِيلًا ﴾ (الإسراء : ١٠٦) فترتيبُ النزول غير ترتيب التلاوة ؛ وكان هذا الاتفاق من الصحابة سببًا لبقاء القرآن في الأمة ، ورحمة من الله على عباده ، وتسهيلا وتحقيقًا لوعده بحفظه ؛ كما قال تعالى : ﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴾ (الحجر : ٩) وَزال بذلك [1] الاختلاف ، واتفقت [1] الكلمة .

قال أبو عبد الرحمن السلميّ [2] : « كانت قراءة أبي بكر وعمر وعثمان وزيد بن ثابت والمهاجرين والأنصار واحدة ، كانوا يقرءون القراءة العامة ، وهي القراءة التي قرأها رسول الله ﷺ [3] على جبريل مرتين في العام الذي قبض فيه ، وكان زيد [قد] [4] شهد العرضة الأخيرة ، وكان يُقرِىء الناس بها حتى مات ، ولذلك اعتمده الصديق في جمعه ، وولاّه عثمان كتبة المصحف » .

عبارت کا بقیہ حصہ جسے غامدی صاحب نے پیش نہیں کیا

وقال أبو الحسين بن فارس [5] في « المسائل الخمس » : « جَمْع القرآن على ضربين : أحدهما تأليف السُّور ، كتقديم السبع الطوال وتعقيبها بالمئين ؛ فهذا الضرب هو الذي تولته الصحابة وأما الجمع الآخر وهو جمع الآيات في السور فهو توقيفيّ تولاّه النبي ﷺ .

وقال الحاكم في المستدرك : « وقد روي حديث عبد الرحمن بن شماسة [6] عن زيد بن ثابت قال : كنّا عند رسول الله ﷺ نؤلّف [٣٤/ أ] القرآن من الرقاع . . . الحديث [7] ، قال : وفيه البيان الواضح أن جمع القرآن لم يكن مرة واحدة ، فقد جُمع بعضه بحضرة النبي ﷺ ، ثم ٢٣٨/١

(١) في المخطوطة : (الخلاف واختلفت) .
(٢) هو عبدالله بن حبيب بن رُبيّعة أبو عبد الرحمٰن السلمي الكوفي المقرىء التابعي ، روى عن عثمان وعلي وابن مسعود توفي سنة ٧٢ هـ (ابن حجر ، تهذيب التهذيب ٥/ ١٨٤) وانظر قوله في المرشد الوجيز ص : ٦٨ .
(٣) في المخطوطة زيادة (كانوا يقرأون) في هذا الموضع .
(٤) ساقطة من المخطوطة .
(٥) هو أحمد بن فارس بن زكريا تقدم ذكره ص ١٩١ وذكر له كتاب «المسائل» السيوطي في بغية الوعاة ١/ ٣٥٢ .
(٦) تصحّف الاسم في المطبوعة والمخطوطة إلى : (شماس) والتصويب ما أثبتناه من التهذيب ٦/ ١٩٥ .
(٧) أخرجه الحاكم في المستدرك ٢/ ٢٢٩ كتاب التفسير ، باب جمع القرآن لم يكن مرة واحدة ، وأخرجه أحمد في المسند ٥/ ١٨٥ ، وأخرجه الترمذي في السنن ٥/ ٧٣٤ ، كتاب المناقب (٥٠) ، باب فضل الشام واليمن (٧٥) ، الحديث (٣٩٥٤) ، وأخرجه البيهقي في دلائل النبوة ٧/ ١٤٧ .

قارئین کرام! اب سوال یہ بنتا ہے کہ کیا وجہ تھی جو غامدی صاحب نے ابو عبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ کی عبارت کو نامکمل پیش کیا؟ آیئے اس کی وجہ بھی ہم آپ کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔

غامدی صاحب کا جمع قرآن کے متعلق بھی عقیدہ سب سے الگ ہے۔ موصوف کا یہ ماننا ہے کہ "قرآن مجید آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ہی کتابی صورت میں مرتب ہو چکا تھا اور جن روایات میں قرآن مجید کا صحابہ کرام کے دور میں جمع ہونے کا لکھا گیا ہے وہ سب روایتیں قرآن و عقل کے خلاف ہے۔"

(ملاحظہ فرمائیں میزان طبع پنجم دسمبر 2009 صفہ 31)

3

اصول و مبادی

دوم یہ کہ اس کی واحد معقول توجیہ اگر کوئی ہو سکتی تھی تو یہی ہو سکتی تھی کہ 'سبعة احرف' کو اس میں عربی لغات اور لہجوں پر محمول کیا جائے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ روایت کا متن ہی اس کی تردید کر دیتا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ ہشام اور عمر فاروق، جن دو بزرگوں کے مابین اختلاف کا ذکر اس روایت میں ہوا ہے، دونوں قریشی ہیں جن میں ظاہر ہے کہ اس طرح کے کسی اختلاف کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

سوم یہ کہ اختلاف اگر الگ الگ قبیلوں کے افراد میں بھی ہوتا تو 'انزل' (نازل کیا گیا) کا لفظ اس روایت میں ناقابل توجیہ ہی تھا، اس لیے کہ قرآن نے اپنے متعلق یہ بات پوری صراحت کے ساتھ بیان فرمائی ہے کہ وہ قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ اس کے بعد یہ بات تو بے شک مانی جا سکتی ہے کہ مختلف قبیلوں کو اسے اپنی اپنی زبان اور لہجے میں پڑھنے کی اجازت دی گئی، لیکن یہ بات کس طرح مانی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اسے مختلف قبیلوں کی زبان میں اتارا تھا؟

چہارم یہ کہ ہشام کے بارے میں معلوم ہے کہ فتح مکہ کے دن ایمان لائے تھے۔ لہٰذا اس روایت کو مانیے تو یہ بات بھی ماننا پڑتی ہے کہ فتح مکہ کے بعد تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابہ، یہاں تک کہ سیدنا عمر جیسے شب و روز کے ساتھی بھی اس بات کا علم نہیں رکھتے تھے کہ قرآن مجید کو آپ چپکے چپکے اس سے مختلف طریقے پر لوگوں کو پڑھا دیتے ہیں جس طریقے سے وہ کم و بیش بیس سال تک آپ کی زبان سے کلام الٰہی سنتے اور آپ کی ہدایت کے مطابق اسے سینوں اور سفینوں میں محفوظ کرتے رہے ہیں۔ ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ کیسی سنگین بات ہے اور اس کی زد کہاں کہاں پڑ سکتی ہے؟

یہی معاملہ ان روایتوں کا بھی ہے جو سیدنا صدیق اور ان کے بعد سیدنا عثمان کے دور میں قرآن کی جمع و تدوین سے متعلق حدیث کی کتابوں میں نقل ہوئی ہیں۔ قرآن، جیسا کہ اس بحث کی ابتدا میں بیان ہوا، اس معاملے میں بالکل صریح ہے کہ وہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عین حیات مرتب ہوا ہے، لیکن یہ روایتیں اس کے برخلاف ایک دوسری ہی داستان سناتی ہیں جسے نہ قرآن قبول کرتا ہے اور نہ عقل عام ہی کسی طرح ماننے کے لیے تیار ہو سکتی ہے۔ صحاح میں یہ اصلاً ابن شہاب زہری کی وساطت سے آئی ہیں۔ ائمۂ رجال انھیں تدلیس اور ادراج کا مرتکب تو قرار دیتے ہی ہیں، اس کے ساتھ اگر ان کے وہ خصائص بھی پیش نظر رہیں جو امام لیث بن سعد نے امام مالک کے نام اپنے ایک خط میں بیان فرمائے ہیں تو ان کی کوئی روایت بھی اس طرح کے اہم معاملات میں قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ وہ لکھتے ہیں:

وكان يكون من ابن شهاب اختلاف كثير اذا لقيناه، و اذا كاتبه بعضنا فربما كتب في الشيء الواحد على فضل رأيه وعلمه بثلاثة انواع ينقض بعضها بعضًا، ولا يشعر

"اور ہم لوگ جب ابن شہاب سے ملتے تھے تو بہت سے تضادات سامنے آتے اور ہم میں سے کوئی جب ان سے لکھ کر دریافت کرتا تو علم و عقل میں فضیلت کے باوجود ایک ہی چیز کے متعلق ان کا جواب تین طرح کا ہوا کرتا تھا

میزان ۳۱

قارئین کرام! یہی وجہ تھی کہ اس عبارت کے بقیہ حصہ کی وجہ سے غامدی صاحب کے جمع قرآن کے حوالے سے ان کے خود ساختہ عقیدہ پر ضرب لگتی تھی لہٰذا انہوں نے اس عبارت کو مکمل نقل کرنا مناسب ہی نہیں سمجھا۔

یہاں پر ہم غامدی صاحب اور انکے سٹوڈنٹس سے سوال پوچھتے ہیں کہ اگر ابو عبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ کی روایت کا پہلا حصہ آپ کے لیے قابل قبول اور استدلال ہے تو پھر انکی اسی روایت کا بیان کردہ باقی حصہ قابل قبول کیوں نہیں ہے؟

کسی آدھی بات کو لے لینا اور آدھی بات کو چھوڑ دینا کیا غامدی صاحب کے سٹوڈنٹس انکی اس حرکت کو علمی خیانت میں شمار کریں گے؟ تاریخ میں یہ کام کون لوگ کیا کرتے تھے یہ بات بھی کسی سے مخفی نہیں ہے۔

امام زرکشی رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب "البرہان" جلد 1 صفحہ 331 کا حوالہ تو غامدی صاحب نے پیش کر دیا لیکن غامدی صاحب کے پیش کردہ حوالے کے صفحہ نمبر 331 سے پہلے کے 5 صفحات اور اس کے بعد کے 6 صفحات میں امام زرکشی رحمہ اللہ نے عہد صدیقی اور عہد عثمانی میں جمع قرآن کا ذکر کیا ہے اسی لیے امام زرکشی رحمہ اللہ نے ابو عبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ کا اوپر بیان کردہ قول لکھا ہی اسی جمع قرآن کے استدلال کے لیے تھا اور انکا استدلال ابو عبدالرحمٰن السلمی کے قول کے آخری حصہ سے تعلق رکھتا تھا۔۔۔۔۔۔ جسے غامدی صاحب نے آپ حضرات سے چھپا لیا تھا۔

غامدی صاحب نے امام زرکشی رحمہ اللہ کی کتاب کا حوالہ تو دے دیا لیکن یہ وہی امام زرکشی رحمہ اللہ ہیں جنھوں نے اپنی اسی کتاب "البرہان" میں لکھا ہے کہ۔۔۔۔ "سب سے پہلے جس شخص نے قرآن مجید کو کتابی صورت میں یکجا جمع کیا وہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس نسخے کو دیگر نسخوں کی طرف تحویل کر دیا۔" (مفہوم) یعنی کہ اسی کے مختلف نسخے بھی تیار کروا دیے. ناقل۔

(ملاحظہ فرمائیں البرہان فی علوم القرآن جلد 1 صفحہ 329)

المثاني، وإلى «براءة» وهي من المئين؛ فقرنتم بينهما، ولم تكتبوا بينهما سطر ﴿بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ﴾؟ قال عثمان: كان رسول الله ﷺ مما يأتي عليه الزمان وتنزل عليه السور، وكان إذا نزل عليه شيء دعا بعض مَنْ كان يكتبه فقال: ضَعُوا هذه الآيات في السورة التي يذكر فيها كذا وكذا، وكانت «الأنفال» من أوائل ما نزلَ من المدينة، وكانت «براءة» من آخر القرآن؛ وكانت [قصتها][1] شبيهة بقصتها فقبض رسول الله ﷺ ولم يبيّن لنا أنها منها؛ فمن أجل ذلك قرنت بينهما، ولم أكتب بينهما سطر ﴿بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ﴾، ثم كتبت[2]» ١/٢٣٥

فثبت أنَّ القرآن كان على هذا التأليف والجمع في زمن النبي ﷺ، وإنما [ترك][3] جمعُه في مصحف واحد؛ لأنّ النسخ كان يَرِدُ على بعض[4]، فلو جمعه ثم رفعت تلاوةُ بعض[4] لأدّى إلى الاختلاف واختلاط الدين، فحفظه الله في القلوب إلى انقضاء زمان النسخ، ثمّ وُفّق لجمعه الخلفاء الراشدون[5].

واعلم أنه قد اشتهرَ أن عثمانَ هو أولُ مَنْ جمع المصاحف؛ وليس كذلك لما بيّناه، بل أولُ مَنْ جمعها في مصحف واحد الصدّيق، ثم أمرَ عثمانُ حين خاف الاختلاف في القراءة بتحويله منها إلى المصاحف؛ هكذا نقله[6] البيهقي[7].

قال: «وقد روينا عن زيد بن ثابت أنّ التأليف كان في زمن النبي ﷺ، وروينا عنه أن الجمع في المصحف كان في زمن أبي بكر [رضي الله عنه][8] والنسخَ في المصاحف في زمن عثمان، وكان ما يجمعون وينسخون معلوماً لهم، بما كان مثبتاً في صدور الرجال، وذلك كلُّه بمشورة مَنْ[9] حضره من الصحابة[9] [٣٣/ب] [وارتضاه[10]] عليّ بن أبي طالب، وحمِد أثره فيه».

(١) ساقطة من المخطوطة.
(٢) تقدم تخريج الحديث ص ٣٢٥.
(٣) ساقطة من المخطوطة.
(٤) في المخطوطة: (بعضه).
(٥) في المطبوعة: (الراشدين) وكلاهما محتمل.
(٦) في المخطوطة: (رواه).
(٧) انظر السنن الكبرى ٢/ ٤١ ـ ٤٢، باب الدليل على أن ما جمعته مصاحف الصحابة رضي الله عنهم كله قرآن وكتاب دلائل النبوة ٧/ ١٤٧ باب ما جاء في تأليف القرآن.
(٨) ما بين الحاصرتين ساقط من المطبوعة.
(٩ ـ ٩) عبارة المخطوطة: (من جماعة من علماء الصحابة).
(١٠) ساقطة من المخطوطة.

قارئین کرام! یہاں پر امام زرکشی رحمہ اللہ نے واضح طور پر یہ لکھا ہے کہ ایک مصحف میں یکجا قرآن عہد صدیقی میں ہوا جبکہ عہد عثمانی میں اس کے مختلف نسخے تیار کر کے مختلف شہروں میں بھجوا دیے گئے۔ کیا یہ بات غامدی صاحب کے سامنے پیش نہ ہوئی تھی؟ چونکہ موصوف نے امام زرکشی کی کتاب سے ایک عبارت وہ بھی اپنے مطلب کی آدھی آدھوری نامکمل نقل کی لیکن امام زرکشی رحمہ اللہ کے دوسرے مؤقف کو اپنے قارئین سے چھپا لیا۔۔۔۔۔۔۔۔ آخر یہ اتنی بڑی علمی خیانت کیوں؟

وہ بھی اتنے اہم مسئلہ پر!

قارئین کرام! یہ وہی امام زرکشی رحمہ اللہ ہیں کہ جنہوں نے اسی کتاب "البرہان" جلد 1 صفہ 319 پر لکھا ہے کہ۔۔۔

"مسلمانوں کا ان ادوار میں اجماع ہو چکا ہے کہ جو کچھ ان آئمہ سے منقول ہے یہ سب کچھ صحیح ہے، سات حروف میں اس کو پڑھنے کی اجازت دینا یہ اللہ رب العزت کی طرف سے امت کے لیے کشادگی تھی اور امت پر رحمت کا معاملہ تھا۔" (مفہوم)

(ملاحظہ فرمائیں البرہان فی علوم القرآن جلد 1 صفہ 319)

الأحرف السبعة ٣١٩

أن يقرأ كلُّ قوم من العرب بلغتهم وما جرت عليه عادتهم ؛ من الإظهار والإدغام والإمالة والتفخيم والإشمام والهمز والتليين والمد ، وغير ذلك من وجوه اللغات إلى سبعة أوجه منها في الكلمة الواحدة ؛ فإن الحرف هو الطرف والوجه ؛ كما قال تعالى : ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَى حَرْفٍ ﴾ (الحج : ١١) أي على وجه واحد ؛ وهو أن يعبده في السرّاء دون الضّراء ؛ وهذه الوجوه هي القراءات [السّبع التي قرأها القراء][1] السبعة ؛ فإنّها كلّها صحّت عن رسول الله ﷺ ، وهو الذي جمع عليه عثمان [في][2] المصحف ، وهذه القراءات السبع اختيارات أولئك القراء ؛ فإن كل واحد اختار فيما روى وعلم وجهَه من القراءة ما هو الأحسن عنده والأولى ، ولزم[3] طريقةً منها ورواها وقرأ بها ، واشتهرت عنه ونُسِبت إليه ؛ فقيل : حرف نافع ، وحرف ابن كثير . ولم يمنع واحدٌ منهم حرفَ الآخر ولا أنكرَه ، بل سوّغه وحسّنه ؛ وكلّ واحد من هؤلاء السبعة رُوِي عنه اختياران وأكثر ؛ وَكُلٌّ صحيح .

وقد أجمع المسلمون في هذه الأعصار على الاعتماد على ما صحّ عنهم ، وكان الإنزال على الأحرف السبعة توسعةً من الله ورحمة على الأمة ؛ إذ لو كُلِّفَ كل فريقٍ منهم تركَ لغته والعدول عن عادة نشأوا عليها ؛ من الإمالة ، والهمز والتليين ، والمدّ ، وغيره لشقّ عليهم .

ويشهد لذلك ما رواه الترمذيّ عن أبيّ بن كعب أنه لَقِي رسولُ الله ﷺ جبريلَ فقال : « يا جبريل ، إنّي بُعِثْتُ إلى أمّةٍ أميين[4] ؛ منهم العجوز ، والشيخ الكبير ، والغلام ، والجارية ، والرجل الذي لم يقرأ كتاباً قط ؛ فقال : يا محمد ، إن القرآن أنزل على سبعة أحرف »[5] . وقال : حسن صحيح .

(١) ما بين الحاصرتين ساقط من المخطوطة .
(٢) ساقطة من المطبوعة .
(٣) في المخطوطة «فالتزم» .
(٤) في المخطوطة «أميّة» .
(٥) أخرجه الترمذي في السنن ٥/ ١٩٤ ، كتاب القراءات (٤٧) ، باب ما جاء أنزل القرآن على سبعة أحرف (١١) الحديث (٢٩٤٤) ، وأخرجه أحمد في المسند ٥/ ١٣٢ وأخرجه ابن حبّان في صحيحه ٢/ ٦٠ ، كتاب الرقائق ، باب قراءة القرآن الحديث (٧٣٦) .

یہاں پر بھی وہی امام زرکشی ہیں جو قراءات سبعہ ہونے پر امت کا اجماع نقل کر رہے ہیں اور اسے امت پر اللہ تعالی کی رحمت قرار دے رہے ہیں جبکہ غامدی صاحب نے امام زرکشی کا یہ مؤقف آپ حضرات سے محض اس وجہ سے چھپا لیا کیونکہ اس سے انکے استشراقی مؤقف پر ضرب لگتی تھی۔ کیونکہ غامدی صاحب قرآن مجید کی صرف ایک قراءت کو تسلیم کرتے ہیں اس کے علاوہ باقی تمام کا انکار کرتے ہیں۔

(ملاحظہ فرمائیں میزان طبع پنجم دسمبر 2009 صفہ 27)

اصول و مبادی

چوتھے یہ کہ بعض حدیثوں کے مضمون سے بظاہر قرآن کے منشا میں تغیر ہو جاتا ہے۔ علما بعض مقامات پر اسے نسخ اور بعض پر تحدید و تخصیص اور تقیید وغیرہ کی اصطلاحات سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ چیز اگر مان لی جائے تو پھر قرآن کی وہ حیثیت کس طرح تسلیم کی جا سکتی ہے جو اوپر بیان ہوئی ہے؟

یہی سوالات ہیں جو بالعموم اس سلسلے میں پیش کیے جاتے ہیں۔

قراءت کے اختلافات

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ قرآن صرف وہی ہے جو مصحف میں ثبت ہے اور جسے مغرب کے چند علاقوں کو چھوڑ کر پوری دنیا میں امت مسلمہ کی عظیم اکثریت اس وقت تلاوت کر رہی ہے۔ یہ تلاوت جس قراءت کے مطابق کی جاتی ہے، اُس کے سوا کوئی دوسری قراءت نہ قرآن ہے اور نہ اُسے قرآن کی حیثیت سے پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس وجہ سے یہ سوال ہمارے نزدیک سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا۔

ذیل میں ہم اپنے اس نقطۂ نظر کی تفصیل کیے دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ، اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى. (الاعلیٰ ۸۷: ۶-۷)

"عنقریب (اسے) ہم (پورا) تمھیں پڑھا دیں گے تو تم نہیں بھولو گے، مگر وہی جو اللہ چاہے گا۔ وہ بے شک، جانتا ہے اُس کو بھی جو اس وقت (تمھارے) سامنے ہے اور اُسے بھی جو (تم سے) چھپا ہوا ہے۔"

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ، اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ، فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ، ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ. (القیامہ ۷۵: ۱۶-۱۹)

"اس (قرآن) کو جلد پا لینے کے لیے، (اے پیغمبر)، اپنی زبان کو اس پر جلدی نہ چلاؤ۔ اس کو جمع کرنا اور سنانا، یہ سب ہماری ہی ذمہ داری ہے۔ اس لیے جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو (ہماری) اس قراءت کی پیروی کرو۔ پھر ہمارے ہی ذمہ ہے کہ (تمھارے لیے اگر کہیں ضرورت ہو تو) اس کی وضاحت کر دیں۔"

ان آیتوں میں قرآن کے نزول اور اس کی ترتیب و تدوین سے متعلق اللہ تعالیٰ کی جو اسکیم بیان ہوئی ہے، وہ یہ ہے:

اولاً، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا ہے کہ حالات کے لحاظ سے تھوڑا تھوڑا کر کے یہ قرآن جس طرح آپ کو دیا جا رہا ہے، اس کے دینے کا صحیح طریقہ یہی ہے، لیکن اس سے آپ کو اس کی حفاظت اور جمع و ترتیب کے بارے میں کوئی تردد نہیں ہونا چاہیے۔ اس کی جو قراءت اس کے زمانۂ نزول میں اس وقت کی جا رہی ہے، اس کے بعد اس کی ایک دوسری قراءت

میزان ۲۷

جاوید احمد غامدی

مِیزان

المورد
ادارۂ علم و تحقیق
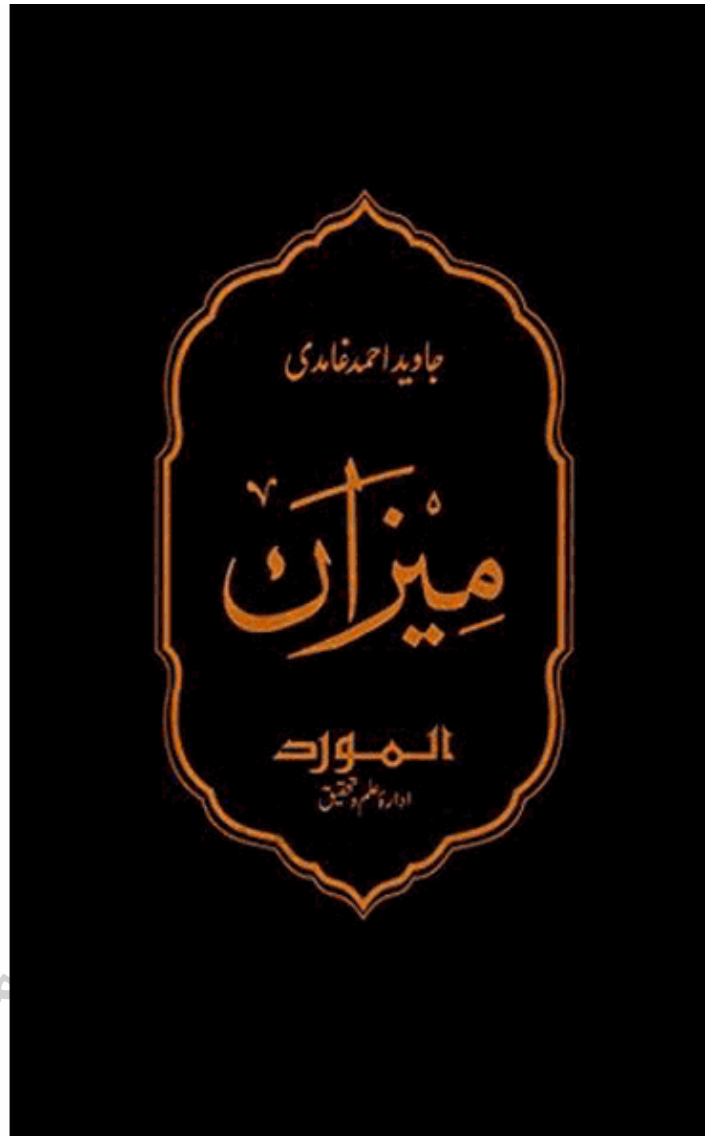
قارئین کرام! یہی امام زرکشی رحمہ اللہ اپنی اسی کتاب "البرہان" جلد 1 کے صفحہ 466 پر فرماتے ہیں کہ۔۔۔" قراءات سبعہ جمہور کے نزدیک متواتر ہیں"۔ امام صاحب مزید آگے لکھتے ہیں کہ۔۔۔" تحقیقی بات یہ ہے کہ انہی سات ائمہ سے یہ قراءات تواتر کیساتھ منقول ہیں"۔ (مفہوم)

پس جناب امام زرکشی رحمہ اللہ نے ان قرائات سبعہ کو اجماعی اور متواتر تسلیم کیا ہے۔ اب غامدی صاحب کے سٹوڈنٹس کے نزدیک یہ غور کا مقام ہے کہ غامدی صاحب نے امام زرکشی رحمہ اللہ کی کتاب کو بطور استدلال پیش تو کیا لیکن اس میں خیانت تو کی ہی تھی لیکن ساتھ ہی ساتھ امام صاحب کا اپنا عقیدہ بھی آپ حضرات سے چھپا لیا۔

ایک طرف امام زرکشی رحمہ اللہ قرائت سبعہ کو متواتر بیان کر رہے ہیں تو دوسری طرف غامدی صاحب اپنی کتاب میزان میں صرف قراءت حفص کو متواتر مانتے ہیں۔

(ملاحظہ فرمائیں میزان طبع پنجم دسمبر 2009 صفحہ 29)

البرہان جلد 1 کے صفحہ 466

٤٦٦ النوع الثاني

● أحدها: أن القراءات السبع متواترة عند الجمهور، وقيل بل مشهورة[1]، ولا عبرة بإنكار المبرّد قراءة حمزة[2] ﴿والأَرْحامِ﴾ (النساء: ١) وَ ﴿بِمُصْرِخِيِّ﴾[3] (إبراهيم: ٢٢)، ولا ٣١٩/١ بإنكار مغاربة النحاة كابن عصفور[4] قراءة ابن عامر[5] ﴿قَتْلُ أولادَهم شركائِهم﴾[6] (الأنعام: ١٣٧) والتحقيق أنها متواترة عن الأئمة السبعة، أمّا تواترها عن النبي ﷺ ففيه نظر فإنّ إسناد الأئمة السبعة بهذه القراءات السبعة موجود في كتب القراءات، وهي نقل الواحد عن الواحد لم تكمل شروط التواتر في استواء الطرفين والواسطة، وهذا شيء موجود في كتبهم، وقد أشار الشيخ شهاب الدين أبو شامة في كتابه «المرشد الوجيز»[7] إلى شيء من ذلك.

● الثاني: استثنى[8] الشيخ [أبو][9] عمرو بن الحاجب[10] قولنا: إن القراءاتِ السبعَ متواترة ما ليس من قبيل الأداء، ومثّله بالمدّ والإمالة وتخفيف الهمزة؛ يعني فإنها ليست متواترة وهذا ضعيف؛ والحقُّ أن المدّ والإمالة لا شك في تَواتر المشترك بينهما، وهو المدّ من حيث هو مدّ، والإمالة من حيث إنها إمالة، ولكن اختلف القراء في تقدير المدّ؛ فمنهم مَنْ رآه طويلاً،

---

(١) في المخطوطة (المشهور).
(٢) هو حمزة بن حبيب بن عمارة، أبو عمارة الكوفي أحد القرّاء السبعة ترجم له الزركشي ص٤٧٦.
(٣) قرأ حمزة: (والأرحام) بخفض الميم والباقون بنصبها، وقرأ ﴿بمصرخيّ﴾ بكسر الياء وهي لغة حكاها الفرّاء وقطرب وأجازها أبو عمرو، والباقون بفتحها (الداني، التيسير ص: ٩٣ و ١٣٤).
(٤) هو علي بن مؤمن بن محمد أبو الحسن بن عصفور النحوي الإشبيلي، حامل لواء العربية في زمانه بالأندلس أخذ عن الدباج والشلوبين ولازمه مدة، وكان من أصبر الناس على المطالعة من تصانيفه «الممتع في التصريف» ت ٦٦٣ هـ (السيوطي، بغية الوعاة ٢/ ٢١٠).
(٥) هو عبدالله بن عامر اليحصبي الشامي أحد القراء السبعة، ترجم له الزركشي ص ٤٧٦.
(٦) قرأ ابن عامر «وكذلك زُيِّن» بضم الزاي وكسر الياء «قتلُ» برفع اللام «أولادَهم» بنصب الدال «شركائِهم» بخفض الهمزة والباقون بفتح الزاي ونصب اللام وخفض الدال ورفع الهمزة. (التيسير ص: ١٠٧)
(٧) المرشد الوجيز: ١٧٦ ـ ١٧٧.
(٨) في المخطوطة (استثناء).
(٩) ساقطة من المخطوطة، والصواب إثباتها.
(١٠) هو عثمان بن عمر بن أبي بكر بن يونس، أبو عمرو بن الحاجب الكردي، الإمام العلاّمة الفقيه المالكي النحوي المقرئ، حفظ القرآن وقرأه ببعض القراءات على الشاطبي وسمع «التيسير» و «الشاطبية» منه، ثم قرأ جميع القراءات على أبي الفضل الغزنوي وأبي الجود، من تصانيفه «الإيضاح في شرح المفصّل» و «شرح كتاب سيبويه» وغيرها ت ٦٤٦ هـ (ابن خلكان، وفيات الأعيان ٣/ ٢٤٨).

اصول ومبادی

فیه ، و کان زید قد شهد العرضة الاخیرة و کان یقرئ الناس بها حتی مات.

زید بن ثابتؓ بھی موجود تھے، دنیا سے رخصت ہونے تک وہ لوگوں کو اسی کے مطابق قرآن پڑھاتے تھے۔“

(البرہان، الزرکشی ۱/۳۳۱)

چنانچہ صحابۂ کرام کے زمانے سے لے کر آج تک مسلمانوں کا قولی تواتر صرف اسی قراءت کو حاصل ہے۔ ہمارے علما اسے ”قراءت حفص“ کہتے ہیں، درآں حالیکہ یہ ”قراءت عامہ“ ہے اور سلف، جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے، اس کا تعارف بالعموم اسی مفہوم کے الفاظ سے کراتے تھے۔ ابن سیرین کی روایت ہے:

القراءة التی عرضت علی النبی صلی اللہ علیه وسلم فی العام الذی قبض فیه هی القراءة التی یقرؤها الناس الیوم.

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی وفات کے سال جس قراءت پر قرآن سنایا گیا، یہ وہی قراءت ہے جس کے مطابق لوگ اس وقت بھی قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں۔“

(الاتقان، السیوطی ۱/۱۸۳)

قرآن مجید پر اگر اس کے نظم کی روشنی میں تدبر کیا جائے تو اس کے داخلی شواہد بھی پوری قطعیت کے ساتھ یہی فیصلہ سناتے ہیں۔ مدرسۂ فراہی کے اکابر اہل علم نے جو کام اس زمانے میں قرآن پر کیا ہے، اس سے یہ بات بالکل مبرہن ہو جاتی ہے کہ قرآن کا متن اس کے علاوہ کسی دوسری قراءت کو قبول ہی نہیں کرتا۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی کی تفسیر ”تدبر قرآن“ میں کوئی شخص اگر چاہے تو اس کی مثالیں جگہ جگہ دیکھ سکتا ہے۔ وہ خود لکھتے ہیں:

”قراءتوں کا اختلاف بھی اس تفسیر میں دور کر دیا گیا ہے۔ معروف اور متواتر قراءت وہی ہے جس پر یہ مصحف ضبط ہوا ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ اس قراءت میں قرآن کی ہر آیت اور ہر لفظ کی تاویل لغت عرب، نظم کلام اور شواہد قرآن کی روشنی میں اس طرح ہو جاتی ہے کہ اس میں کسی شک کا احتمال باقی نہیں رہ جاتا۔ چنانچہ میں نے ہر آیت کی تاویل اسی قراءت کی بنیاد پر کی ہے اور میں پورے اعتماد کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ اس کے سوا کسی دوسری قراءت پر قرآن کی تفسیر کرنا اس کی بلاغت، معنویت اور حکمت کو مجروح کیے بغیر ممکن نہیں۔“ (تدبر قرآن ۱/۸)

یہاں ہو سکتا ہے کہ ’سبعة احرف‘ کی روایت بھی بعض لوگوں کے لیے الجھن کا باعث بنے۔ موطا میں یہ روایت اس طرح بیان ہوئی ہے:

عن عبد الرحمن بن عبد القاری أنه قال : سمعت عمر بن الخطاب یقول : سمعت هشام بن حکیم بن حزام یقرأ سورة الفرقان

”عبدالرحمٰن بن عبدالقاری کی روایت ہے کہ عمر بن الخطاب نے میرے سامنے فرمایا کہ ہشام بن حکیم بن حزام کو میں نے سورۂ فرقان اس سے مختلف طریقے سے پڑھتے

۱؎ ان کے علاوہ بعض دوسرے صحابہ بھی یقیناً اس موقع پر موجود رہے ہوں گے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عباس کی ایک روایت میں یہی بات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو المعجم الکبیر، الطبرانی، رقم ۱۲۹۰۲۔

ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ کی بابت غامدی صاحب کا دہرا معیار

قارئین کرام! غامدی صاحب نے قراءت کی بابت اپنے مؤقف کی تائید کے لیے اپنی کتاب میزان کے صفحہ 28 اور 29 پر امام زرکشی رحمہ اللہ کی کتاب البرہان سے ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا لیکن ۔۔۔۔۔۔۔ جو قول موصوف نے نقل کیا اسکی سند کیوں نہیں پیش کی؟

ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ تابعی ہیں اور انکی وفات 74 ہجری میں ہوئی جبکہ امام زرکشی رحمہ اللہ کی وفات 794 ہجری میں ہوئی۔ لہٰذا ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ اور امام زرکشی رحمہ اللہ کے درمیان 720 سال کا فرق ہے۔ اور جو قول غامدی صاحب نے نقل کیا وہ بلکل بغیر کسی سند کے نقل کیا۔

اب ہم غامدی صاحب اور ان کے سٹوڈنٹس سے سوال کرتے ہیں کہ۔۔۔

غامدی صاحب اپنے مخالفین کے عقائد و نظریات کی تائید میں پیش ہونے والی روایات کے لیے تو اجماع و تواتر اور حدیث کا امہات کتب میں موجود ہونے کی کڑی شرائط لگاتے ہیں لیکن جب خود کی باری آتی ہے تو پھر چاہے کوئی بھی کتاب ہو کوئی بھی روایت ہو بیشک اسکی کوئی سند بھی نہ ہو۔۔۔ تو غامدی صاحب لمحہ بھر نہیں لگاتے اور اسے اپنے مؤقف کہ تائید میں پیش کرتے اور اس سے استدلال بھی کر لیتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کیا یہ غامدی صاحب کی دوغلی پالیسی نہیں ہے؟؟؟

تاریخ ابن کثیر ... حصہ نہم | 19 | ۷۴ تا ۱۲۵ ہجری کے واقعات

انہوں نے اپنے والد سے روایت نقل کی ہے اور ان کی صحبت بھی ملی ہے۔ ان کے علاوہ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، عبداللہ بن عمر اور ام سلمہ وغیرہ سے بھی ان کی روایات منقول ہیں نیز ان سے تابعین کی ایک جماعت نے روایات نقل کی ہیں آپ کی توثیق ابن معین اور ابوزرعہ وغیرہ نے بھی کی ہے۔ ان کے حلقہ صحبت میں ابن عمر جیسے بزرگ صحابی بھی شامل تھے جو ان کی وعظ و نصیحت سے متاثر ہو کر بے اختیار رونا شروع کر دیتے تھے عبید بن عمیر بڑے فصیح و بلیغ تھے، اپنے وعظ کے دوران خود بھی روتے تھے یہاں تک کہ کنکریاں ان کے آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھیں۔

مہدی بن میمون نے غیلان بن جریر سے روایت کیا ہے کہ عبید بن عمیر جس سے مواخات کا معاملہ کرتے تھے تو اس کو لے کر قبلہ رخ ہو کر کھڑے ہو جاتے تھے اور اس طرح دعا کرتے تھے۔ اے اللہ ہمیں نیک بخت بنا، اس رشد و ہدایت کے ذریعے جو آپ کا نبی لے کر آیا ہے اور محمد ﷺ کو ہمارے ایمان کا گواہ بنا دے اور ہمیں نیکیوں کے حصول کی توفیق عطا فرما اور دور دراز کی آرزوؤں سے اور امیدوں سے ہمیں دور رکھ، ہمارے دلوں کو نرم کر اور ناحق باتیں کہنے سے ہمیں محفوظ رکھ اور ہم تجھ سے کوئی ایسا سوال نہ کریں جس کا ہمیں علم نہ ہو۔

بخاری نے ابن جریر کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ان کا انتقال عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے ہی ہو گیا تھا۔

ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ...... ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ کا پورا نام وہب بن عبداللہ سوائی ہے، حضور اکرم ﷺ کو دیکھا ہے اور آپ کی صحبت کا شرف ان کو حاصل ہوا ہے انہوں نے آپ ﷺ کو اپنی بلوغت سے پہلے آپ ﷺ کے انتقال کے وقت دیکھا لیکن آپ ﷺ سے کئی احادیث بیان کی ہیں، نیز حضرت علی اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایات نقل کی ہیں۔ ابوجحیفہ سے تابعین کی ایک جماعت نے راویت کی ہے، جن میں اسماعیل بن ابی خالد، حکم، سلمہ بن کہیل، شعبی اور ابواسحاق السبیعی شامل ہیں۔ یہ کوفہ تشریف لے گئے اور وہاں پر اپنا مکان بنوایا اور اسی سال یعنی ۷۴ھ میں وہاں پر ان کا انتقال ہوا۔ بعض کا کہنا ہے کہ ان کا انتقال ۷۲ھ میں ہوا۔ واللہ اعلم۔

ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ کے محافظوں (باڈی گارڈ) میں سے تھے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خطبہ دینے کے لئے منبر پر کھڑے ہوتے تھے تو اس وقت ابوجحیفہ ان کے منبر کے پیچھے بغرض حفاظت کھڑے رہتے تھے۔

سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ...... حضرت سلمہ بن الاکوع ابن عمرو بن سنان انصاری ہیں۔ بیعت رضوان کرنے والوں میں شامل تھے۔ ان کا شمار شہسوار اور علماء صحابہ کرام میں ہوتا تھا۔ مدینہ منورہ میں فتویٰ بھی دیتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ کی حیات اور اس کے بعد کی جنگوں میں شریک رہے ستر سال سے زائد عمر پائی اور مدینہ منورہ میں ان کا انتقال ہوا۔

مالک رضی اللہ عنہ بن ابی عامر...... مالک بن رضی اللہ عنہ عامر اصحی مدنی کہلاتے ہیں۔ یہ امام مالک بن انس کے دادا ہیں، انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے اور دوسروں سے بھی روایت نقل کی ہے۔ مالک رضی اللہ عنہ عالم و فاضل تھے۔ ان کا انتقال مدینہ منورہ میں ہوا۔

ابوعبدالرحمٰن السلمی...... ابوعبدالرحمٰن کا شمار اہل کوفہ کے مہمان نوازوں میں ہوتا ہے۔ ان کا نام گرامی عبداللہ بن حبیب ہے۔ انہوں نے حضرت عثمان بن عفان اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو قرآن پاک سنایا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی ایک بڑی جماعت سے بھی قرآن پاک سن چکے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے لے کر حجاج کی گورنری تک یہ کوفہ کے سب سے بڑے قاری شمار ہوتے تھے ان سے عاصم بن ابی النجود وغیرہ نے قرآن کریم پڑھا کوفہ میں ان کی وفات ہوئی۔

ابومعرض اسدی...... ان کا نام نامی مغیرہ بن عبداللہ کوفی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حیات میں ان کی ولادت ہوئی۔ یہ عبدالملک بن مروان کے دربار میں بھی تشریف لائے اور اس کی تعریف کی ان کے اشعار اچھے ہوتے ہیں اور یہ اقیطع تخلص کے ساتھ معروف تھے، ان کا چہرہ سرخ اور ان کے

امام ابن سیرین رحمہ اللہ کی بابت غامدی صاحب کی علمی خیانت

قارئین کرام! غامدی صاحب کی ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ اور امام زرکشی رحمہ اللہ کے حوالے سے انکی علمی خیانت اور دہرے معیار کی حقیقت واضح ہونے کے بعد اب ذرا امام ابن سیرین رحمہ اللہ کی بابت بھی غامدی صاحب کا دھوکہ اور پھر دلیل و برہان کی روشنی میں ہمارے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

قارئین کرام! جیسا کہ آپ کو پہلے عرض کیا گیا ہے کہ ہمارے ہاں قرآن مجید کی جو قراءت تلاوت کی جاتی ہے وہ روایت حفص کہلاتی ہے جبکہ اس کے علاوہ عالم اسلام کے دیگر 11 سے زائد مما لک میں روایت حفص کے علاوہ دیگر قراءات تلاوت کی جاتی ہیں۔ لیکن غامدی صاحب قرآن مجید کی صرف ایک قراءت کو تسلیم کرتے ہیں اس کے علاوہ بقیہ تمام قراءت انکار اور ان سب کو عجم کا فتنہ قرار دیتے ہیں۔

غامدی صاحب نے اپنے اسی مؤقف کی تائید میں اپنی کتاب میزان کے صفحہ 29 پر امام ابن سیرین رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے، پہلے وہ قول ملاحظہ فرمائیں...... "ابن سیرین کی روایت ہے: نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو آپ کی وفات کے سال جس قرائت پر قرآن سنایا گیا، یہ وہی قرائت ہے جس کے مطابق لوگ اِس وقت بھی قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں۔

(الاتقان، السیوطی ۱/۴۸۱)۔" **(ملاحظہ فرمائیں میزان طبع پنجم دسمبر 2009 صفحہ 29)**

اصول و مبادی

فیہ، و کان زید قد شهد العرضة الأخيرة، و کان یقرئ الناس بها حتی مات.

زید بن ثابت[1] بھی موجود تھے۔ دنیا سے رخصت ہونے تک وہ لوگوں کو اسی کے مطابق قرآن پڑھاتے...

(البرہان، الزرکشی ۱/۳۳۱)

چنانچہ صحابۂ کرام کے زمانے سے لے کر آج تک مسلمانوں کا قولی تواتر صرف اسی قراءت کو حاصل ہے۔ ہمارے علما اسے "قراءت حفص" کہتے ہیں، دراں حالیکہ یہ "قراءت عامہ" ہے اور سلف، جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے، اس کا تعارف بالعموم اسی مفہوم کے الفاظ سے کراتے تھے۔ ابن سیرین کی روایت ہے:

القراءة التی عرضت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی العام الذی قبض فیه هی القراءة التی یقرؤها الناس الیوم.

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی وفات کے سال جس قراءت پر قرآن سنایا گیا، یہ وہی قراءت ہے جس کے مطابق لوگ اس وقت بھی قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں۔"

(الاتقان، السیوطی ۱/۱۸۴)

قرآن مجید پر اگر اس کے نظم کی روشنی میں تدبر کیا جائے تو اس کے داخلی شواہد بھی پوری قطعیت کے ساتھ یہی فیصلہ سناتے ہیں۔ مدرسۂ فراہی کے اکابر اہل علم نے جو کام اس زمانے میں قرآن پر کیا ہے، اس سے یہ بات بالکل مبرہن ہو جاتی ہے کہ قرآن کا متن اس کے علاوہ کسی دوسری قراءت کو قبول ہی نہیں کرتا۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی کی تفسیر "تدبر قرآن" میں کوئی شخص اگر چاہے تو اس کی مثالیں جگہ جگہ دیکھ سکتا ہے۔ وہ خود لکھتے ہیں:

"قراءتوں کا اختلاف بھی اس تفسیر میں دور کر دیا گیا ہے۔ معروف اور متواتر قراءت وہی ہے جس پر یہ مصحف ضبط ہوا ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ اسی قراءت میں قرآن کی ہر آیت اور ہر لفظ کی تاویل لغت عرب، نظم کلام اور شواہد قرآن کی روشنی میں اس طرح ہو جاتی ہے کہ اس میں کسی شک کا احتمال باقی نہیں رہ جاتا۔ چنانچہ میں نے ہر آیت کی تاویل اسی قراءت کی بنیاد پر کی ہے اور میں پورے اعتماد کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ اس کے سوا کسی دوسری قراءت پر قرآن کی تفسیر کرنا اس کی بلاغت، معنویت اور حکمت کو مجروح کیے بغیر ممکن نہیں۔" (تدبر قرآن ۱/۸)

یہاں ہو سکتا ہے کہ 'سبعة احرف' کی روایت بھی بعض لوگوں کے لیے الجھن کا باعث بنے۔ موطا میں یہ روایت اس طرح بیان ہوئی ہے:

عن عبد الرحمن بن عبد القاری أنه قال: سمعت عمر بن الخطاب یقول: سمعت هشام بن حکیم بن حزام یقرأ سورة الفرقان

"عبد الرحمٰن بن عبد القاری کی روایت ہے کہ عمر بن الخطاب نے میرے سامنے فرمایا کہ ہشام بن حکیم بن حزام کو میں نے سورۂ فرقان اُس سے مختلف طریقے سے پڑھتے

[1] ان کے علاوہ بعض دوسرے صحابہ بھی، یقیناً اس موقع پر موجود رہے ہوں گے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عباس کی ایک روایت میں یہی بات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو المعجم الکبیر، الطبرانی، رقم ۱۲۹۰۲۔

میزان ۲۹

قارئین کرام! ہم غامدی صاحب کی پیش کردہ اس روایت کی سند پر بعد میں بات کریں گے لیکن اس سے پہلے ہم آپ کی خدمت میں بنیادی طور پر تین گزارشات پیش کریں گے۔

غامدی صاحب نے امام ابن سیرین رحمہ اللہ کی اس روایت سے (جوانہوں نے الاتقان، السیوطی سے پیش کی ہے) قرآن مجید کی روایت حفص کے قرآن ہونے اور بقیہ قراءات کے قرآن نہ ہونے پر استدلال کیا ہے۔ موصوف چونکہ حوالہ جات کی تحقیق کم اور کاپی پیسٹ زیادہ کرتے ہیں اس لیے سطحی معلومات کی بنا پر انہیں کچھ علم نہیں ہوتا کہ اس سے انکا مؤقف ثابت ہوتا ہے یا نہیں ہوتا۔ آیئے اب ذرا ہم آپ کے سامنے دلیل و برہان کی روشنی میں غامدی صاحب کے اس حوالے کی علمی بنیاد پر تحقیق پیش کرتے ہیں۔

قارئین کرام! حضرات مفسرین نے امام ابن سیرین رحمہ اللہ سے قراءات میں انکی بہت سی ایسی روایات نقل کی ہیں جو روایت حفص سے بلکل مختلف ہیں لہٰذا غامدی صاحب نے اپنے پیش کردہ حوالے کو صرف روایت حفص کے قرآن ہونے اور بقیہ قراءات کے قرآن نہ ہونے پر استدلال کیسے کرلیا؟

اب بطور نمونہ امام ابن سیرین رحمہ اللہ کے تین حوالے ملاحظہ فرمائیں جس میں انکی قراءت ہماری روایت حفص والی قراءت سے بلکل مختلف ہے۔

حوالہ نمبر 1: سورۃ الحجرات کی آیت نمبر 10 کو روایت حفص میں ہم لوگ ۔۔۔۔" فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَ اَخَوَيۡكُمۡ"۔۔۔۔۔ پڑھتے ہیں جبکہ امام ابن سیرین رحمہ اللہ سورۃ حجرات کی اس آیت مبارکہ کو روایت حفص سے بلکل مختلف (بَيۡنَ اَخَوَيۡكُمۡ) کو (بَيۡنَ اِخۡوَانِكُمۡ) یعنی ن کیساتھ پڑھتے تھے۔

(ملاحظہ فرمائیں تفسیر قرطبی 8 صفحہ 712)

(ملاحظہ فرمائیں تفسیر المحرر الوجیز جلد 6 صفحہ 149)

حوالہ نمبر 2: سورۃ اعراف کی آیت نمبر 34 کو روایت حفص میں ہم لوگ ۔۔۔۔۔"فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمۡ"۔۔۔۔۔ پڑھتے ہیں جبکہ امام ابن سیرین رحمہ اللہ سورۃ اعراف کی اس آیت مبارکہ کو روایت حفص سے مختلف اس کو (فَاِذَا جَآءَ آجَالُهُم) پڑھتے تھے۔

(ملاحظہ فرمائیں تفسیر قرطبی جلد 4 صفحہ 243)

(ملاحظہ فرمائیں تفسیر ثعلبی جلد 4 صفحہ 343)

حوالہ نمبر 1 کے سکین ملاحظہ فرمائیں

2

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ⑩

”بے شک اہل ایمان بھائی بھائی ہیں پس صلح کروادو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے تاکہ تم پر رحم فرمایا جائے“۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ یعنی دین و حرمت میں بھائی بھائی ہیں، یہ رشتہ نسب میں نہیں اسی وجہ سے یہ کہا جاتا ہے: دینی اخوت نسبی اخوت سے زیادہ قوی ہے کیونکہ نسبی اخوت دینی مخالفت کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہے اور دینی اخوت نسبی مخالفت کے باوجود ختم نہیں ہوتی۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لاتحاسدوا ولا تباغضوا ولا تجسسوا ولا تناجشوا وكونوا عباد الله إخوانا(1) باہم حسد نہ کرو، باہم بغض نہ کرو، جاسوسی نہ کرو، خبر معلوم کرنے کی کوشش نہ کیا کرو باہم بھاؤ پر بھاؤ نہ کیا کرو بھائی بھائی بنتے ہوئے اللہ کے بندے بن جاؤ۔ ایک روایت میں ہے کہ ”باہم حسد نہ کیا کرو، بھاؤ پر بھاؤ نہ لگایا کرو، باہم بغض نہ کیا کرو، آپس میں دشمنی نہ رکھا کرو، تم میں سے کوئی کسی کی خرید و فروخت کے معاہدہ پر معاہدہ نہ کرے بھائی بھائی بنتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے بندے بن جاؤ“۔ ”مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑتا ہے اور نہ ہی اسے حقیر جانتا ہے، تقویٰ یہاں ہے“ آپ نے تین دفعہ سینہ کی طرف اشارہ کیا ”ایک انسان کے لیے اتنی برائی ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر اس کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت حرام ہے“ الفاظ مسلم کے ہیں۔

صحیحین کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اس پر عیب لگاتا ہے، نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے اور نہ گھر بنانے میں اس کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے کہ اس پر ہوا کو روک دے مگر اس کی اجازت سے ایسا کرتا ہے، وہ ہنڈیا کی خوشبو سے اسے اذیت نہیں دیتا مگر اس کے لیے چمچہ بھر سالن بھیجتا ہے، وہ اپنے بچوں کے لیے پھل نہ خریدے کہ وہ اسے لے کر پڑوسی کے بچوں کے پاس جائیں اور اس میں سے انہیں کوئی چیز نہ دیں“ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”یاد کرلو تم میں سے بہت ہی تھوڑے افراد اسے یاد رکھیں گے“۔

مسئلہ نمبر 2۔ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ یعنی جن دو مسلمان افراد کے درمیان جھگڑا ہے ان میں صلح کرواؤ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اوس و خزرج مراد ہیں جس طرح یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔ ابو علی نے کہا: اخوین سے مراد دو طائفے ہیں کیونکہ تثنیہ کا لفظ ذکر کیا جاتا ہے اور مراد کثرت ہوتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ (المائدہ: 64) ابو عبیدہ نے کہا: یعنی دو بھائیوں کے درمیان مصالحت کراؤ۔ اس کا صدق تمام افراد پر آتا ہے۔ ابن سیرین، نصر بن عاصم، ابو العالیہ، جحدری اور یعقوب نے بین اخوتکم پڑھا ہے۔ حضرت حسن بصری نے اخوانکم پڑھا ہے

1۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحريم الظلم، جلد 2، صفحہ 317

2
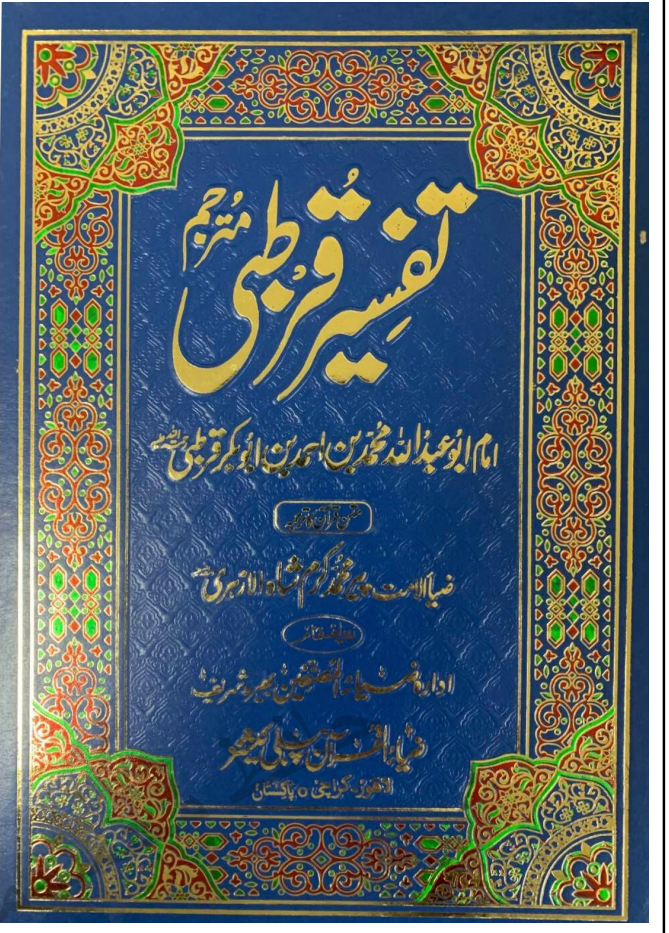
وقرأ ابن سيرين وزيد بن ثابت وابن مسعود والحسن وعاصم الجحدري وحماد بن سلمة: «بين إخوانكم». وهي حسنة. لأن الأكثر من جمع الأخ في الدين ونحوه من النسب إخوان. والأكثر في جمعه من النسب إخوة وإخاء. قال الشاعر: [الطويل]

وجدتم أخاكم دوننا إذ نسيتم وأي بني الإخاء تنبو مناسبه

وقد تتداخل هذه الجموع في كتاب الله. فمنه: ﴿إنما المؤمنون إخوة﴾ أو بيوت إخوانكم فهذا جاء على الأقل من الاستعمال.

قوله عز وجل:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُونُوا۟ خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّن نِّسَآءٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۖ وَلَا تَلْمِزُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا۟ بِٱلْأَلْقَٰبِ ۖ بِئْسَ ٱلِٱسْمُ ٱلْفُسُوقُ بَعْدَ ٱلْإِيمَٰنِ ۚ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿١١﴾ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱجْتَنِبُوا۟ كَثِيرًا مِّنَ ٱلظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ ٱلظَّنِّ إِثْمٌ ۖ وَلَا تَجَسَّسُوا۟ وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢﴾

هذه الآيات والتي بعدها نزلت في خلق أهل الجاهلية. وذلك لأنهم كانوا يجرون مع الشهوات نفوسهم لم يقومهم أمر من الله ولا نهي. فكان الرجل يسطو ويهمز ويلمز وينبز بالألقاب ويظن الظنون. فيتكلم بها. ويغتاب ويفتخر بنسبه إلى غير ذلك من أخلاق النفوس البطالة. فنزلت هذه الآية تأديباً لأمة محمد صلى الله عليه وسلم. وذكر بعض الناس لهذه الآيات أسباباً. فمما قيل: إن هذه الآية: ﴿**لا يسخر قوم**﴾ نزلت بسبب عكرمة بن أبي جهل وذلك أنه كان يمشي بالمدينة مسلماً، فقال له قوم: هذا ابن فرعون هذه الأمة، فعز ذلك عليه وشكاه إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم.

وقال القاضي أبو محمد: والقوي عندي أن هذه الآية نزلت تقويماً كسائر أمر الشرع ولو تتبعت الأسباب لكانت أكثر من أن تحصى.

و: ﴿**يسخر**﴾ معناه: يستهزىء. والهزء إنما يترتب متى ضعف امرؤ إما لصغر وإما لعلة حادثة، أو لرزية أو لنقيصة يأتيها، فنهي المؤمنون عن الاستهزاء في هذه الأمور وغيرها نهياً عاماً، فقد يكون ذلك المستهزأ به خيراً من الساخر، والقوم في كلام العرب: واقع على الذكران، وهو من أسماء الجمع: كالرهط والنفر. وقول من قال: إنه من القيام أو جمع قائم ضعيف، ومنه قول الشاعر وهو زهير: [الوافر]

وما أدري وسوف إخال أدري أقوم آل حصن أم نساء

وهذه الآية أيضاً تقتضي اختصاص القوم بالذكران، وقد يكون مع الذكران نساء فيقال لهم قوم على تغليب حال الذكور، ثم نهى تعالى النساء عمّا نهى عنه الرجال من ذلك.
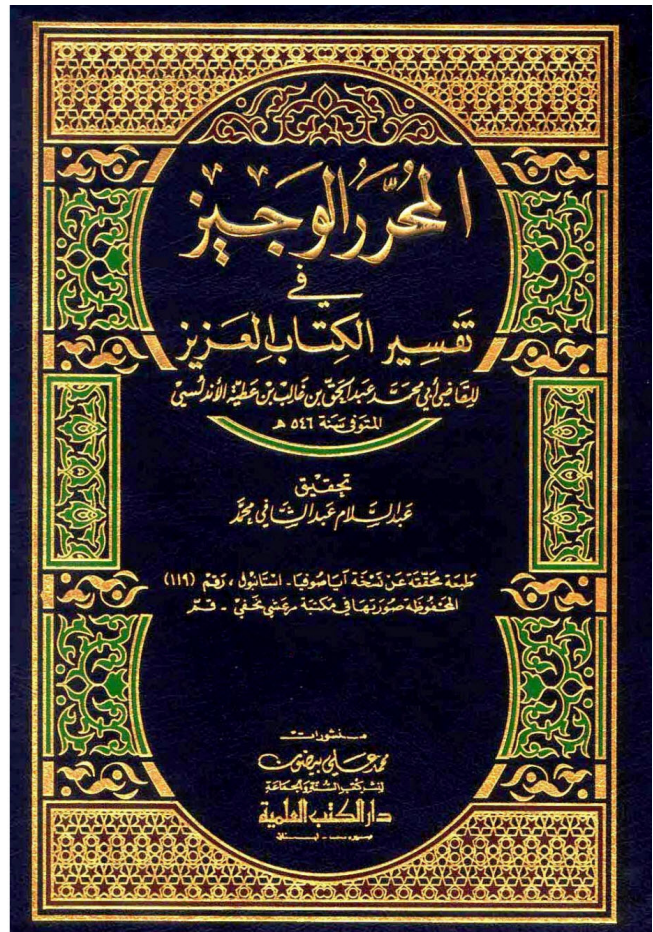
حوالہ نمبر 2 کے سکین ملاحظہ فرمائیں

ہے اور خمر پر بھی اور اس میں کوئی تناقض نہیں ہے۔ اور بغی کا معنی ظلم میں تجاوز کرنا (اور حد سے بڑھنا ہے) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی فساد ہے۔

3

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾

"اور ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر ہے، سو جب آجائے ان کا مقررہ وقت تو نہ وہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں ایک لحہ اور نہ وہ آگے بڑھ سکتے ہیں"۔

اس میں ایک مسئلہ ہے:

مسئلہ نمبر 1۔ قولہ تعالیٰ: وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ یعنی ہر امت کے لیے ایک وقت ہے جو مقرر کر دیا گیا ہے۔ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ یعنی جب ان کا وہ وقت آجائے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں معلوم اور معین ہے۔

ابن سیرین نے صیغہ جمع کے ساتھ جاء آجالھم پڑھا ہے۔ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ تو نہ وہ اس سے ایک لحہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ ایک لحہ سے کم، مگر یہ خاص طور پر ساعت کا ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ اوقات کے اسماء میں سے اُقل اور کم یہی ہے اور یہ ظرف زمان ہے۔

وَلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ (اور نہ وہ آگے بڑھ سکتے ہیں) تو یہ اس پر دلیل ہے کہ مقتول اپنا مقررہ وقت آنے پر ہی قتل کیا جاتا ہے۔ اور أجل الموت سے مراد موت کا مقررہ وقت ہے، جیسے اجل الدین قرض کی ادائیگی کا مقررہ وقت ہے۔ اور ہر وہ شی جس کے ساتھ کسی شی کو موقت کر دیا جائے تو وہی اس کے لیے اُجل ہوتی ہے۔ اور انسان کی اُجل سے مراد وہ خاص وقت ہے جس کے بارے اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ لامحالہ اس وقت خاص میں زندہ آدمی مرجائے گا۔ اور یہ وہ وقت ہے جس سے اس کی موت کا موخر ہونا جائز نہیں ہوتا، اس حیثیت سے نہیں کہ اس کی تاخیر مقدر نہیں۔ اور بہت سے معتزلہ نے کہا ہے سوائے اس کے جس نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی ہے: بے شک مقتول اپنے اس مقرر وقت سے پہلے مرجاتا ہے جو اس کے لیے مقرر کیا گیا ہے اور یہ کہ اگر وہ قتل نہ کیا جاتا تو وہ ابھی زندہ رہتا۔ یہ غلط ہے، کیونکہ مقتول اس وجہ سے نہیں مرا کہ دوسرے نے اسے قتل کیا ہے، بلکہ اس وجہ سے اسے موت آئی ہے) جو فعل اللہ تعالیٰ نے اس کی جان ختم کرنے کے بارے اس وقت کیا جب اسے ضرب لگی۔ پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر وہ اپنے مقررہ وقت پر مرا ہے تو پھر اس کے قاتل کو قتل کیوں کیا جاتا ہے اور اس سے قصاص کیوں لیا جاتا ہے؟ تو جواب یہ دیا جائے گا: ہم اسے اس لیے قتل کرتے ہیں کہ اس نے حد سے تجاوز کیا ہے اور اس نے ایسا تصرف کیا ہے جس میں اسے تصرف کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہوتا، اس کا سبب مقتول کی موت اور اس کے جسم سے روح کا نکلنا نہیں، کیونکہ یہ اس (قاتل) کا فعل نہیں۔ اگر وہ لوگوں کو اور اس کی اس تعدی اور زیادتی کو بغیر قصاص کے چھوڑ دے تو بالیقین یہ فساد اور لوگوں کو ہلاکتوں تک پہنچا دے۔ یہ بالکل واضح اور بین ہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا

تفسیر قرطبی مترجم

امام ابو عبداللہ محمد بن احمد بن ابو بکر قرطبی

ضیاء الامت ... محمد کرم شاہ الازہری

ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور، کراچی ۔ پاکستان
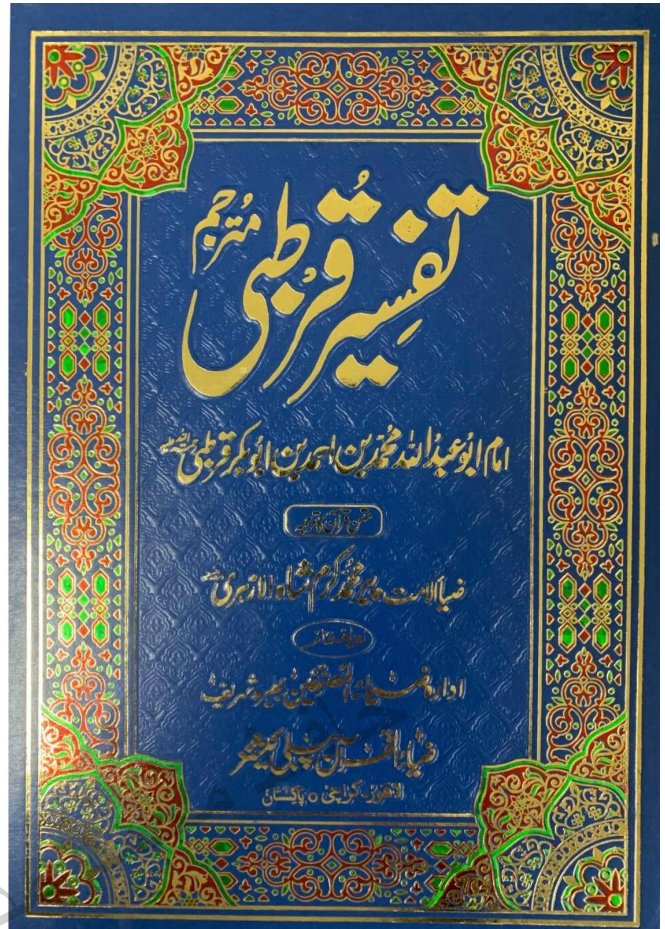
وقال الآخر:

نشرب الإثم بالصُّواع جهارًا

وترى المُتْكَ[1] بيننا مستعارا[2]

﴿وَٱلْبَغْىَ﴾ الظلم والكبر ﴿بِغَيْرِ ٱلْحَقِّ وَأَن تُشْرِكُوا۟ بِٱللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِۦ سُلْطَٰنًا﴾ حجة وبرهانًا ﴿وَأَن تَقُولُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ في تحريم المآكل، والمشارب[3].

٣٤ ﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ﴾

مدّة وأجل، وقيل: وقت في حلول العقاب، ونزول العذاب.

﴿فَإِذَا﴾ انقطع أجلهم، و﴿جَآءَ أَجَلُهُمْ﴾ وقرأ ابن سيرين: آجالهم[4] ﴿لَا يَسْتَأْخِرُونَ﴾ لايتأخّرون ﴿سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾ يتقدّمون.

٣٥ قوله تعالىٰ: ﴿يَٰبَنِىٓ ءَادَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ﴾

شرط معناه: إن أتاكم، وجوابه فمن اتقىٰ، وقيل: فأطيعوه، وقال مقاتل: أراد بقوله يابني آدم مشركي العرب، وبالرسل محمدا ﷺ

(١) المُتْك: الأُتْرُجُّ.
انظر: «لسان العرب» لابن منظور ١٠/ ٤٨٥ (متك).

(٢) ذكره الماوردي في «النكت والعيون» ٣/ ٣٢ ولم ينسبه لأحد، ولم أجده حسب بحثي واطلاعي عند غيره.

(٣) في (ت): الملابس والمآكل. وفي (س): المآكل والملابس.

(٤) ذكره الزمخشري في «الكشاف» ٢/ ٤٤٠، وابن عطية في «المحرر الوجيز» ٢/ ٣٩٥ كلاهما عنه، وهي: قراءة شاذة.
انظر: «المحتسب» لابن جني ١/ ٢٤٦.

نوٹ: ذیل میں امام زمخشری کی تفسیر الکشاف کا حوالہ بھی دیا گیا ہے جس میں سورۃ اعراف آیت 34 کی روایت حفص کے علاوہ کسی اور قراءت میں لکھا گیا ہے۔ یہ وہی تفسیر الکشاف ہے جس کو غامدی صاحب تفاسیر کی امہات کتب میں شمار کرتے ہیں۔ (ملاحظہ فرمائیں تفسیر الکشاف صفحہ 362)

الدواء، واعط كل بدن ما عوّدته[1]، فقال النصراني: ما ترك كتابكم ولا نبيكم لجالينوس طبًا.

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ ٱللَّهِ ٱلَّتِىٓ أَخْرَجَ لِعِبَادِهِۦ وَٱلطَّيِّبَٰتِ مِنَ ٱلرِّزْقِ ۚ قُلْ هِىَ لِلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ ۗ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ ٱلْءَايَٰتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٣٢﴾.

﴿زينة الله﴾ من الثياب وكل ما يتجمل به ﴿والطيبات من الرزق﴾ المستلذات من المآكل والمشارب، ومعنى الاستفهام في ﴿من﴾ إنكار تحريم هذه الأشياء، قيل: كانوا إذا أحرموا حرّموا الشاة وما يخرج منها من لحمها وشحمها ولبنها ﴿قل هي للذين آمنوا في الحياة الدنيا﴾ غير خالصة لهم؛ لأنّ المشركين شركاؤهم فيها ﴿خالصة﴾ لهم ﴿يوم القيامة﴾ لا يشركهم فيها أحد.

فإن قُلْتَ: هلا قيل هي للذين آمنوا ولغيرهم؟ قُلْتُ: لينبه على أنها خلقت للذين آمنوا على طريق الأصالة وأن الكفرة تبع لهم كقوله تعالى: ﴿ومن كفر فامتعه قليلاً ثم اضطره إلى عذاب النار﴾[2] وقرئ: خالصة بالنصب على الحال، وبالرفع على أنها خبر بعد خبر.

قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّىَ ٱلْفَوَٰحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَٱلْإِثْمَ وَٱلْبَغْىَ بِغَيْرِ ٱلْحَقِّ وَأَن تُشْرِكُوا۟ بِٱللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِۦ سُلْطَٰنًا وَأَن تَقُولُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٣٣﴾.

﴿الفواحش﴾ ما تفاحش قبحه أي: تزايد وقيل: هي ما يتعلق بالفروج ﴿والإثم﴾ عام لكل ذنب، وقيل: شرب الخمر ﴿والبغي﴾ الظلم والكبر أفرده بالذكر كما قال: ﴿وينهى عن الفحشاء والمنكر والبغي﴾[3] ﴿ما لم ينزل به سلطانًا﴾[4] فيه تهكم؛ لأنه لا يجوز أن ينزل برهانًا بأن يشرك به غيره ﴿وأن تقولوا على الله﴾ وأن تتقوّلوا عليه وتفتروا الكذب من التحريم وغيره.

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۖ فَإِذَا جَآءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٣٤﴾.

﴿ولكل أمّة أجل﴾ وعيد لأهل مكة بالعذاب النازل في أجل معلوم عند الله كما نزل بالأمم. وقرئ: فإذا جاء آجالهم، وقال: ﴿ساعة﴾؛ لأنها أقل الأوقات في استعمال الناس يقول المستعجل لصاحبه: في ساعة يريد أقصر وقت وأقربه.

يَٰبَنِىٓ ءَادَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ ءَايَٰتِى ۙ فَمَنِ ٱتَّقَىٰ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٣٥﴾ وَٱلَّذِينَ كَذَّبُوا۟ بِـَٔايَٰتِنَا وَٱسْتَكْبَرُوا۟ عَنْهَآ أُو۟لَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ ٱلنَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ ﴿٣٦﴾.

﴿إمّا ياتينكم﴾ هي: إن الشرطية ضمت إليها ما مؤكدة لمعنى الشرط، ولذلك لزمت فعلها النون الثقيلة أو الخفيفة.

فإن قُلْتَ: فما جزاء هذا الشرط قُلْتُ: الفاء وما بعده من الشرط والجزاء، والمعنى: فمن اتقى وأصلح منكم والذين كذبوا منكم، وقرئ: تأتينكم بالتاء.

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ ٱفْتَرَىٰ عَلَى ٱللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِـَٔايَٰتِهِۦٓ ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيبُهُم مِّنَ ٱلْكِتَٰبِ ۖ حَتَّىٰٓ إِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوٓا۟ أَيْنَ مَا كُنتُمْ تَدْعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ ۖ قَالُوا۟ ضَلُّوا۟ عَنَّا وَشَهِدُوا۟ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا۟ كَٰفِرِينَ ﴿٣٧﴾.

﴿فمن أظلم﴾ فمن أشنع ظلمًا ممن تقول على الله ما لم يقله أو كذب ما قاله ﴿أولئك ينالهم نصيبهم من الكتاب﴾ أي: مما كتب لهم من الأرزاق والأعمار ﴿حتى إذا جاءتهم رسلنا﴾ حتى غاية لنيلهم نصيبهم واستيفائهم له أي: إلى وقت وفاتهم وهي: حتى التي يبتدأ بعدها الكلام، والكلام ههنا الجملة الشرطية وهي: إذا جاءتهم رسلنا قالوا و ﴿يتوفونهم﴾ حال من الرسل أي: متوفيهم، والرسل ملك الموت وأعوانه. وما وقعت موصولة بأين في خط المصحف، وكان حقها أن تفصل؛ لأنها موصولة بمعنى: أين الآلهة الذين تدعون ﴿ضلوا عنا﴾ غابوا عنا فلا نراهم ولا ننتفع بهم اعترافًا منهم بأنهم لم يكونوا على شيء فيما كانوا عليه وأنهم لم يحمدوه في العاقبة.

قَالَ ٱدْخُلُوا۟ فِىٓ أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُم مِّنَ ٱلْجِنِّ وَٱلْإِنسِ فِى ٱلنَّارِ ۖ كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ أُخْتَهَا ۖ حَتَّىٰٓ إِذَا ٱدَّارَكُوا۟ فِيهَا جَمِيعًا قَالَتْ أُخْرَىٰهُمْ لِأُولَىٰهُمْ رَبَّنَا هَٰٓؤُلَآءِ أَضَلُّونَا فَـَٔاتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ ٱلنَّارِ ۖ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَلَٰكِن لَّا تَعْلَمُونَ ﴿٣٨﴾ وَقَالَتْ أُولَىٰهُمْ لِأُخْرَىٰهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ فَذُوقُوا۟ ٱلْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٣٩﴾.

﴿قال ادخلوا﴾ أي: يقول الله تعالى يوم القيامة: لأولئك الذين قال فيهم ﴿فمن أظلم ممن افترى على الله كذبًا أو كذب بآياته﴾[5] وهم كفار العرب ﴿في أمم﴾ في موضع الحال أي: كائنين في جملة أمم وفي غمارهم مصاحبين له أي: ادخلوا في النار مع أمم ﴿قد خلت من قبلكم﴾ وتقدّم زمانهم زمانكم ﴿لعنت أختها﴾ التي ضلت بالاقتداء بها ﴿حتى إذا اداركوا فيها﴾ أي: تداركوا بمعنى: تلاحقوا واجتمعوا في النار ﴿قالت أخراهم﴾ منزلة وهي الأتباع والسفلة ﴿لأولاهم﴾ منزلة وهي القادة والرؤس، ومعنى: لأولاهم لأجل أولاهم؛ لأنّ خطابهم مع الله لا معهم

(1) قال الزيلعي، غريب جدًا 1/460.
(2) سورة البقرة، الآية: 126.
(3) سورة النحل، الآية: 90.
(4) قال أحمد: وإنما يعني: التهكم منه؛ لأنّ الكلام جرى مجرى ما له سلطان، إلا أنه لم ينزل؛ لأنه إنما نفى تنزيل السلطان به، ولم=

= ينف أن يكون به سلطان، وكان أصل الكلام، وأن تشركوا بالله ما لا سلطان به، فينزل، فيكون على طريقة. على لا حب، لا يهتدي بمناره.

(5) سورة الانعام، الآية: 37.

حوالہ نمبر 3: سورۃ اعراف کی آیت نمبر 40 کو روایت حفص میں ہم لوگ۔۔۔۔۔ "فِي سَمِّ الْخِيَاطِ"۔۔۔۔ یعنی کہ "س" کو زبر کیساتھ پڑھتے ہیں جبکہ امام ابن سیرین رحمہ اللہ سورۃ اعراف کی اس آیت مبارکہ روایت حفص سے مختلف اس کو (فِي سُمِّ الْخِيَاطِ) یعنی کہ "س" کو پیش کیساتھ پڑھتے تھے۔

(ملاحظہ فرمائیں تفسیر قرطبی جلد 4 صفحہ 249)

(ملاحظہ فرمائیں تفسیر سمعانی جلد 2 صفحہ 182)

حوالہ نمبر 3 کے سکین ملاحظہ فرمائیں

5

تکریر کے لیے ہوتی ہے کسی اور کے لیے نہیں (اور تکریر کا معنی ہوتا ہے یکے بعد دیگرے بار بار کوئی کام کرنا) اور یہاں ... اولی ہے، کیونکہ یہ کثیر پر زیادہ دلالت کرتی ہے۔ اور الجمل ابل (اونٹ) میں سے ہے۔ فراء نے کہا ہے: ج... الناقة (1) (نر اونٹ کو کہتے ہیں)۔

اور اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا (2) جب ان سے اونٹ (جمل) کے بارے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: وہ زوج الناقہ ہے۔ گویا جس نے آپ سے اس کے بارے پوچھا اس نے ایسی چیز سے جہالت اور ناواقفی کا اظہار کیا جسے تمام لوگ جانتے ہیں۔ اور اس کی جمع جمال، اجمال، جمالات اور جمائل ہے۔ اور اسے جمل کا نام دیا جاتا ہے جب کہ یہ چوپایہ ہے۔ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ہے: حتى يلج الجملُ الأصفر في سم الخياط اسے ابوبکر انباری نے ذکر کیا ہے، سند اس طرح ہے حدثنا ابی حدثنا نصر بن داؤد حدثنا ابو عبید حدثنا حجاج عن ابن جریج عن ابن کثیر عن مجاهد قال فی قرأة عبدالله ...... اور آگے ذکر کیا۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے الجُمَّل جیم کو ضمہ کے ساتھ اور میم کو فتحہ اور شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور اس سے مراد کشتی کی وہ رسی ہے جسے قلس کہا جاتا ہے اور اس سے مراد وہ رسیاں ہیں جو اکٹھی ہوں، یہ جملة کی جمع ہے، یہ احمد بن یحییٰ ثعلب نے کہا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: اس سے مراد وہ موٹی رسی ہے (3) جو قنب کی چھال سے بنائی گئی ہو۔ اور یہ قول بھی ہے: وہ رسی جس کے ساتھ کھجور کے درخت پر چڑھا جاتا ہے وہ مراد ہے۔

اور ان سے بھی اور حضرت سعید بن جبیر سے مروی ہے: الجُمل جیم کے ضمہ اور میم کی تخفیف کے ساتھ اور اس کا معنی بھی کشتی کی موٹی رسی اور مطلق رسی ہے، جیسے ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔ اور ان سے الجُمُل جیم اور میم دونوں کے ضمہ کے ساتھ بھی مروی ہے۔ یہ جمل کی جمع ہے، جیسے أسد اور أُسُد ہے۔ اور الجُمْل مثلاً أسْدٌ اور أُسْد ہے۔ اور ابو السمال سے الجَمْل جیم کے فتحہ اور میم کے سکون کے ساتھ مروی ہے۔ یہ جمل کی تخفیف ہے۔

اور سَمِّ الْخِيَاطِ کا معنی سوئی کا سوراخ ہے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے مروی ہے۔ اور بدن میں ہر باریک سوراخ سَما اور سِما کہلاتا ہے۔ اور اس کی جمع سموم ہے۔ اور السم القاتل (قتل کرنے والا زہر) کی جمع سمام آتی ہے۔ اور ابن سیرین نے فی سُم سین کو ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور الخیاط وہ سوئی جس کے ساتھ کپڑا سیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے: خِیاط و مِخْیَط جیسے إزار و مِئزر اور قِناع و مِقنع اور مِهاد، فراش (بچھونا) کو کہتے ہیں۔ اور غواش، غاشیة کی جمع ہے، یعنی وہ آگ جو انہیں ڈھانپ لے گی۔ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ یعنی ہم کافروں کو اسی طرح کا بدلہ دیتے ہیں۔ واللہ اعلم

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَاۤ٘ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

"اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے (ہمارا قانون یہ ہے کہ) ہم تکلیف نہیں دیتے کسی کو مگر جتنی

1۔ تفسیر طبری، جلد 2، صفحہ 211 2۔ تفسیر کشاف، جلد 2، صفحہ 104 3۔ تفسیر طبری، جلد 8، صفحہ 214
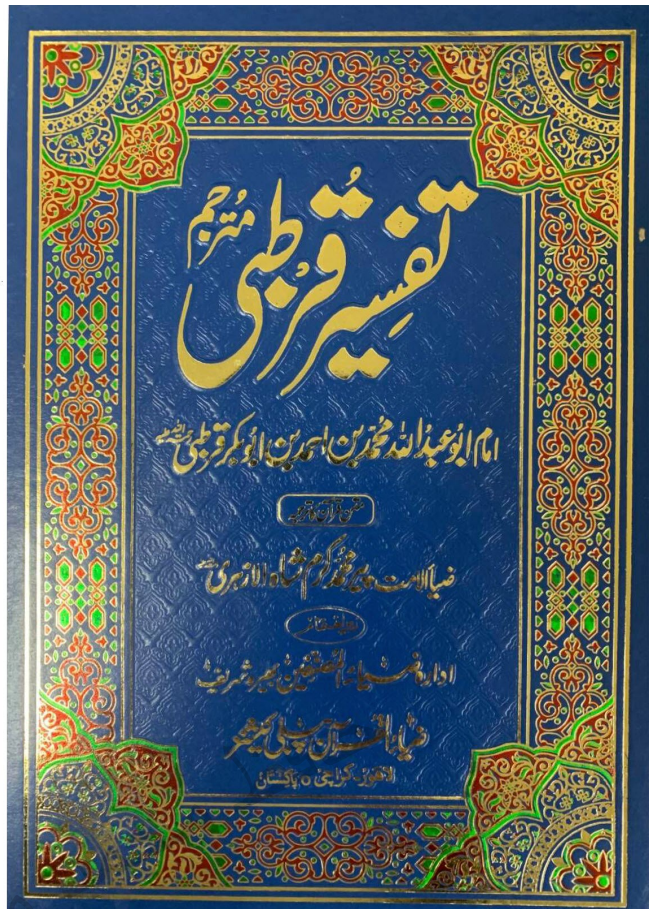
﴿٤١﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلاَّ وُسْعَهَا أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ

5

وقيل: معناه: لاتفتح لهم أبواب الجنة، لكن عبر عنها بأبواب السما... الجنة في السماء.

﴿ ولايدخلون الجنة حتى يلج الجمل في سم الخياط ﴾ وقرأ ابن عباس: «يلجُ الجُمَّل» برفع الجيم وتشديد الميم، وقرأ سعيد بن جبير: «حتى يلجُ الجمل» برفع الجيم مخففة الميم، وقرأ ابن سيرين: «في سُم الخياط» برفع السين، والمعروف ﴿ حتى يلجَ الجَمَلُ في سَمِّ الخِيَاط ﴾ وهو الجمل المعروف، وسئل ابن مسعود عن هذا الجمل فقال: هو زوج الناقة، كأنه استحمق السائل حين سأله عما لايخفي، ويحكى عن الحسن أنه قال: هو الأشطر الذى عليه جولقان أسودان، واما الجمل الذى قراه ابن مسعود: فهو قلس السفينة، وأما الجمل بالتخفيف، قيل: هو أيضا قلس السفينة، وقيل: هو حبل السفينة، وأما السُم والسَم واحد، وهو ثقبة المخيط، والمراد بالآية: تأكيد منع دخولهم الجنة، وذلك سائر في كلام العرب، وهو مثل قولهم: لا افعل كذا حتى يشيب الغراب، وحتى يبيض القار، وقال الشاعر:

إذا شاب الغرابُ أتيتُ أهلي وصار القارَ كاللبنِ الحليب

والقار والقير: شيء أسود، يضرب به المثل، يقال: شيء كالقير والقار في السواد ﴿ وكذلك نجزى المجرمين ﴾.

قوله – تعالى –: ﴿ لهم من جهنم مهاد ﴾ أى: فرش ﴿ ومن فوقهم غواش ﴾ اى: لحف وهذا مثل قوله: ﴿ لهم من فوقهم ظلل من النار ومن تحتهم ظلل ﴾(١).

قال سيبويه – رحمه الله –: التنوين في قوله ﴿ غواش ﴾ غير أصلي، وإنما هو بدل عن الياء، وأصله: «غواشي» ومثله كثير ﴿ وكذلك نجزى الظالمين ﴾.

﴿ والذين آمنوا وعملوا الصالحات لانكلف نفسا إلا وسعها ﴾ اى: طاقتها ﴿ أولئك أصحاب الجنة هم فيها خالدون ﴾.

(١) الزمر: ١٦.
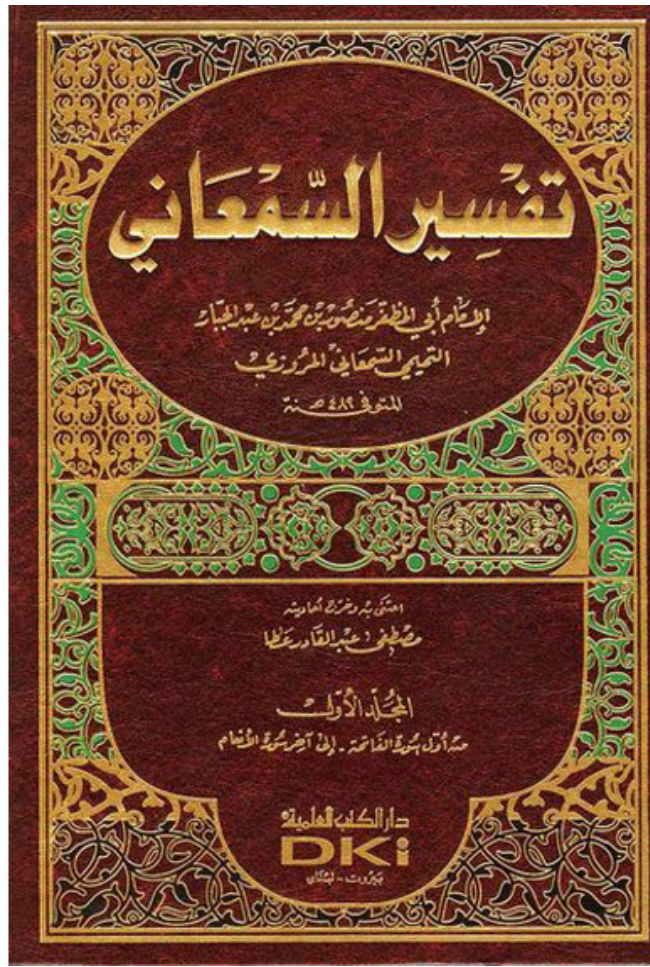
قارئین کرام! ہم نے آپ کے سامنے مکمل ثبوت کیساتھ اس بات کو واضح کر دیا ہے کہ امام ابن سیرین رحمہ اللہ روایت حفص کے علاوہ دوسری قراءت میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے جبکہ غامدی صاحب امام ابن سیرین رحمہ اللہ کا قول نقل کر کے دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے تھے کہ گویا امام ابن سیرین رحمہ اللہ بھی ایک ہی قراءت کے قائل تھے۔

غامدی صاحب اور انکے سٹوڈنٹس واضح دیکھ سکتے ہیں کہ غامدی صاحب کے اپنے مؤقف کی تائید میں پیش کیے جانے والے دلائل اور ان کے استدلال میں کس قدر تضاد ہے۔

امام ابن سیرین رحمہ اللہ روایت حفص کے علاوہ کسی دوسری قراءت کو پڑھتے تھے اور غامدی صاحب ان کی طرف بے سند قول نقل کر کے عوام الناس کو یہ باور کروانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ گویا امام ابن سیرین رحمہ اللہ بھی غامدی صاحب کی طرح ایک ہی قراءت کے قائل تھے۔۔۔کیا غامدی صاحب کی طرف سے دیا جانے والا یہ دھوکہ علمی خیانت میں شمار ہوگا یا نہیں؟

امام ابن سیرین رحمہ اللہ کی روایت کی بابت غامدی صاحب کا دہرا معیار

قارئین کرام! امام ابن سیرین رحمہ اللہ کی قراءت کی بابت غامدی صاحب کی علمی خیانت کے واضح ہو جانے کے بعد اب ذرا غامدی صاحب کا اس حوالے سے دہرا معیار بھی ملاحظہ فرمائیں۔ غامدی صاحب نے الاتقان السیوطی کتاب سے امام ابن سیرین رحمہ اللہ سے ایک روایت نقل کی لیکن اس روایت کی سند کو موصوف نے بلکل بھی پیش نہیں کیا۔ چونکہ غامدی صاحب کے حلقہ کے لوگ انہیں اور انکی تحقیق کو حرف آخر سمجھتے ہیں تو غامدی صاحب نے بھی شاید اسی کا فائدہ اٹھایا۔ آیئے پہلے غامدی صاحب کی پیش کردہ اس روایت کو ملاحظہ فرمائیں..... "ابن سیرین کی روایت ہے: نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو آپ کی وفات کے سال جس قرائت پر قرآن سنایا گیا، یہ وہی قرائت ہے جس کے مطابق لوگ اِس وقت بھی قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں "۔ (الاتقان، السیوطی ۱/۴۸۱)"

(ملاحظہ فرمائیں میزان طبع پنجم دسمبر 2009 صفحہ 29)

قارئین کرام! یہ تھی وہ روایت جس کو غامدی صاحب نے نقل کیا اب آیئے اس کی سند کے متعلق بھی حقیقت جانیے۔

غامدی صاحب کی پیش کردہ روایت ''مصنف ابن ابی شیبہ جلد 8 صفحہ 840 روایت نمبر 30922'' ہے۔ اس میں امام ابن سیرین رحمہ اللہ نے یہ روایت نقل کی ہے حضرت عَبِیدہ رحمہ اللہ سے۔ یہ حضرت ''عَبِیدہ رحمہ اللہ'' امام ابن سیرین رحمہ اللہ کے استاد ہیں اور یہ تابعی ہیں اور جب یہ (عَبِیدہ رحمہ اللہ) نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے قراءت کی حدیث نقل کر رہے ہیں تو درمیان میں صحابی رسول کا ایک واسطہ اس روایت میں موجود نہیں ہے جو کہ ہونا ضروری تھا، جس کی وجہ سے اس حدیث کی سند آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم تک متصل نہیں۔

فیہ، و کان زید قد شھد العرضۃ الاخیرۃ، و کان یقرئ الناس بھا حتی مات.

زید بن ثابت[1] بھی موجود تھے۔ دنیا سے رخصت ہونے تک وہ لوگوں کو اسی کے مطابق قرآن پڑھاتے ...

(البرہان، الزرکشی ۱/۳۳۱)

چنانچہ صحابۂ کرام کے زمانے سے لے کر آج تک مسلمانوں کا قولی تواتر صرف اسی قراءت کو حاصل ہے۔ ہمارے علما اسے ''قراءت حفص'' کہتے ہیں، دراں حالیکہ یہ ''قراءت عامہ'' ہے اور سلف، جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے، اس کا تعارف بالعموم اسی مفہوم کے الفاظ سے کراتے تھے۔ ابن سیرین کی روایت ہے:

القراءۃ التی عرضت علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی العام الذی قبض فیہ ھی القراءۃ التی یقرؤھا الناس الیوم.

(الاتقان، السیوطی ۱/۱۸۴)

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی وفات کے سال جس قراءت پر قرآن سنایا گیا، یہ وہی قراءت ہے جس کے مطابق لوگ اس وقت بھی قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں۔''

قرآن مجید پر اگر اس کے نظم کی روشنی میں تدبر کیا جائے تو اس کے داخلی شواہد بھی پوری قطعیت کے ساتھ یہی فیصلہ سناتے ہیں۔ مدرسۂ فراہی کے اکابر اہل علم نے جو کام اس زمانے میں قرآن پر کیا ہے، اس سے یہ بات بالکل مبرہن ہو جاتی ہے کہ قرآن کا متن اس کے علاوہ کسی دوسری قراءت کو قبول ہی نہیں کرتا۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی کی تفسیر ''تدبر قرآن'' میں کوئی شخص اگر چاہے تو اس کی مثالیں جگہ جگہ دیکھ سکتا ہے۔ وہ خود لکھتے ہیں:

''قراءتوں کا اختلاف بھی اس تفسیر میں دور کر دیا گیا ہے۔ معروف اور متواتر قراءت وہی ہے جس پر یہ مصحف ضبط ہوا ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ اس قراءت میں قرآن کی ہر آیت اور ہر لفظ کی تاویل لغت عرب، نظم کلام اور شواہد قرآن کی روشنی میں اس طرح ہو جاتی ہے کہ اس میں کسی شک کا احتمال باقی نہیں رہ جاتا۔ چنانچہ میں نے ہر آیت کی تاویل اسی قراءت کی بنیاد پر کی ہے اور میں پورے اعتماد کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ اس کے سوا کسی دوسری قراءت پر قرآن کی تفسیر کرنا اس کی بلاغت، معنویت اور حکمت کو مجروح کیے بغیر ممکن نہیں۔'' (تدبر قرآن ۸/۷)

یہاں ہو سکتا ہے کہ 'سبعۃ احرف' کی روایت بھی بعض لوگوں کے لیے الجھن کا باعث بنے۔ موطا میں یہ روایت اس طرح بیان ہوئی ہے:

عن عبد الرحمن بن عبد القاری انہ قال: سمعت عمر بن الخطاب یقول: سمعت ھشام بن حکیم بن حزام یقرأ سورۃ الفرقان

''عبد الرحمن بن عبد القاری کی روایت ہے کہ عمر بن الخطاب نے میرے سامنے فرمایا کہ ہشام بن حکیم بن حزام کو میں نے سورۂ فرقان اُس سے مختلف طریقے سے پڑھتے

[1] ان کے علاوہ بعض دوسرے صحابہ بھی یقیناً اس موقع پر موجود رہے ہوں گے۔ چنانچہ سیدنا عبد اللہ بن عباس کی ایک روایت میں یہی بات حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو: المعجم الکبیر، الطبرانی، رقم ۱۲۹۰۲۔

(٣٠٩٢١) حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُلَيٍّ ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ: أَمْسَكْت عَلَى فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ الْقُرْآنَ حَتَّى فَرَغَ مِنْهُ.

(۳۰۹۲۱) حضرت موسیٰ بن علی ریاٹیلیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو یوں فرماتے ہوئے سنا کہ: میں حضرت فضالہ بن عبید ریاٹیلیہ کے پاس ان کا قرآن سننے کے لیے اس وقت تک ٹھہرا جب تک انہوں نے اسے مکمل نہ کرلیا۔

(٣٠٩٢٢) حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ ، عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ ، وَعَنِ ابْنِ سِيرِينَ ، عَنْ عَبِيدَةَ ، قَالَ: الْقِرَائَةُ الَّتِي عُرِضَتْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعَامِ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ هِيَ الْقِرَائَةُ الَّتِي يَقْرَؤُهَا النَّاسُ الْيَوْمَ.

(۳۰۹۲۲) حضرت ابن سیرین ریاٹیلیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبیدہ ریاٹیلیہ نے ارشاد فرمایا: وہ قراءت جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کے انتقال والے سال پڑھی گئی تھی یہ وہی قراءت تھی جو لوگ آج پڑھتے ہیں۔

(٣٠٩٢٣) حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ ، عَنْ زَائِدَةَ ، عَنْ هِشَامٍ ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ ، قَالَ: كَانَ جِبْرِيلُ يَعْرِضُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْآنَ فِي كُلِّ عَامٍ مَرَّةً فِي رَمَضَانَ ، فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ عَرَضَهُ عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ.

(بخاری ۳۶۲۴۔ مسلم ۱۹۰۵)

(۳۰۹۲۳) حضرت ھشام ریاٹیلیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن سیرین ریاٹیلیہ نے ارشاد فرمایا: حضرت جبرائیل علیہ السلام ہر سال رمضان میں ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن کا دور فرماتے تھے۔ پس جب وہ سال آیا جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو آپ علیہ السلام نے دو مرتبہ قرآن کا دور فرمایا۔

(٣٠٩٢٤) حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ ، قَالَ: حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ أَبِي زَائِدَةَ ، عَنْ فِرَاسٍ ، عَنِ الشَّعْبِيِّ ، عَنْ مَسْرُوقٍ ، عَنْ عَائِشَةَ ، عَنْ فَاطِمَةَ ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْرِضُ الْقُرْآنَ عَلَى جِبْرِيلَ فِي كُلِّ عَامٍ مَرَّةً ، فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ عَرَضَهُ عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ.

(۳۰۹۲۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال میں ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کا دور فرماتے تھے۔ پس جس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ دو مرتبہ دور فرمایا۔

(٦٩) ما جاء فِي فضلِ المفصّلِ

ان روایات کا بیان جو مفصل سورتوں کی فضیلت میں آئی ہیں

(٣٠٩٢٥) حَدَّثَنَا عَفَّانُ ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ ، عَنْ عَاصِمٍ ، عَنْ أَبِي الأَحْوَصِ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ ، قَالَ: لِكُلِّ شَيْءٍ لُبَابٌ وَإِنَّ لُبَابَ الْقُرْآنِ الْمُفَصَّلُ.
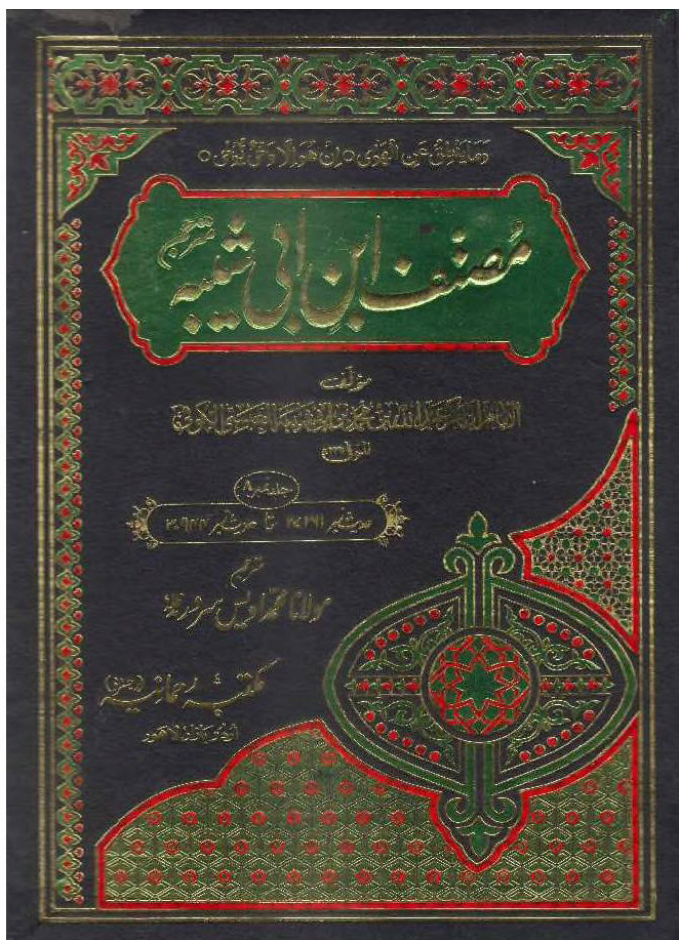
غامدی صاحب ویسے تو کسی حدیث کو قبول کرنے کے لیے اپنے خود ساختہ معیار کے مطابق تواتر کی شرط لگاتے ہیں جبکہ یہاں پر تواتر تو دور کی بات ہے حدیث کی سند ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تک متصل نہیں ہے۔ تو اب پھر یہ روایت غامدی صاحب کے لیے قابل استدلال کیسے ہوگئی؟

کیا غامدی صاحب اور انکے سٹوڈنٹس ہمیں یہ بتا سکتے ہیں کہ یہ سب کچھ غامدی صاحب کے اپنے ہی منہج اور استدلال میں تضاد اور دہرا معیار نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

غامدی صاحب کی تحقیق کا عالم یہ ہے کہ جناب اصل حوالہ پیش کرنے کی بجائے دوسرے درجے (Second Source) کا حوالہ نقل کرتے ہیں جو کہ تحقیق کے طے شدہ اصول کے بھی خلاف ہے۔ ہمیشہ پہلے اصل حوالہ نقل کیا جاتا ہے پھر اس کی موجودگی میں دوسرے درجے کا حوالہ نقل کیا جاتا ہے لیکن غامدی صاحب ڈائریکٹ کاپی پیسٹ کرنے کی وجہ سے دوسرے درجہ کا حوالہ نقل کر دیتے ہیں۔

امام ابن سیرین رحمہ اللہ کی یہ روایت جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ کی حدیث نمبر 30922 میں موجود ہے اور امام ابن سیرین رحمہ اللہ کی وفات 110ھ میں ہوئی۔

غامدی صاحب نے امام ابن سیرین رحمہ اللہ کے اس قول کا حوالہ، امام سیوطی رحمہ اللہ کی کتاب (الاتقان) سے دیا ہے جنکی وفات 911ھ میں ہوئی۔ غامدی صاحب دسویں صدی کے امام سیوطی رحمہ اللہ کا حوالہ دے رہے ہیں جو کہ دوسرے درجہ یعنی کہ (Second Source) ہیں۔ مصنف ابن ابی شیبہ کتاب کے موجود ہونے کے باوجود دسویں صدی کے امام کی کتاب کا حوالہ دینا غامدی صاحب کا تحقیقی اصول سے ناواقفیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کی بابت غامدی صاحب کا دہرا معیار

قارئین کرام! ابھی تک آپ کے سامنے قراءات قرآن، احادیث مبارکہ اور سلف صالحین کی بابت غامدی صاحب کا دہرا معیار اور علمی خیانت کو دلیل و براہان کی روشنی میں ثابت کیا ہے۔ اب اس میں مزید امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کے متعلق بھی غامدی صاحب کا دہرا معیار ملاحظہ فرمائیں......

غامدی صاحب اپنی کتاب میزان کے صفحہ 31 پر ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کی بابت امام لیث بن سعد کے خط کے حوالے سے قراءت کے اختلافات کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ۔۔۔۔۔۔۔ "اس طرح کہ اہم معاملات میں ان کی (ابن شہاب زہری۔ ناقل) کی کوئی روایت قابل قبول نہیں ہوسکتی۔"

(ملاحظہ فرمائیں میزان طبع پنجم دسمبر 2009 صفحہ 31)

1

اصول و مبادی

دوم یہ کہ اس کی واحد معقول توجیہ اگر کوئی ہو سکتی تھی تو یہی ہو سکتی تھی کہ 'سبعة احرف' کو اس میں عربوں کے لغات اور لہجوں پر محمول کیا جائے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ روایت کا متن ہی اس کی تردید کر دیتا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ ہشام اور عمر فاروق، جن دو بزرگوں کے مابین اختلاف کا ذکر اس روایت میں ہوا ہے، دونوں قریشی ہیں جن میں ظاہر ہے کہ اس طرح کے کسی اختلاف کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

سوم یہ کہ اختلاف اگر الگ الگ قبیلوں کے افراد میں بھی ہوتا تو 'انزل' (نازل کیا گیا) کا لفظ اس روایت میں ناقابل توجیہ ہی تھا، اس لیے کہ قرآن نے اپنے متعلق یہ بات پوری صراحت کے ساتھ بیان فرمائی ہے کہ وہ قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ اس کے بعد یہ بات تو بے شک، مانی جاسکتی ہے کہ مختلف قبیلوں کو اسے اپنی اپنی زبان اور لہجے میں پڑھنے کی اجازت دی گئی، لیکن یہ بات کس طرح مانی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اسے مختلف قبیلوں کی زبان میں اتارا تھا؟

چہارم یہ کہ ہشام کے بارے میں معلوم ہے کہ فتح مکہ کے دن ایمان لائے تھے۔ لہٰذا اس روایت کو مانیے تو یہ بات بھی ماننا پڑتی ہے کہ فتح مکہ کے بعد تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابہ، یہاں تک کہ سیدنا عمر جیسے شب و روز کے ساتھی بھی اس بات کا علم نہیں رکھتے تھے کہ قرآن مجید کو آپ چپکے چپکے اس سے مختلف طریقے پر لوگوں کو پڑھا دیتے ہیں جس طریقے سے وہ کم و بیش بیس سال تک آپ کی زبان سے علانیہ اسے سنتے اور آپ کی ہدایت کے مطابق اسے سینوں اور سفینوں میں محفوظ کرتے رہے ہیں۔ ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ کیسی سنگین بات ہے اور اس کی زد کہاں کہاں پڑ سکتی ہے؟

یہی معاملہ ان روایتوں کا بھی ہے جو سیدنا صدیق اور ان کے بعد سیدنا عثمان کے دور میں قرآن کی جمع و تدوین سے متعلق حدیث کی کتابوں میں نقل ہوئی ہیں۔ قرآن، جیسا کہ اس بحث کی ابتدا میں بیان ہوا، اس معاملے میں بالکل صریح ہے کہ وہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عین حیات مرتب ہوا ہے، لیکن یہ روایتیں اس کے برخلاف ایک دوسری ہی داستان سناتی ہیں جسے نہ قرآن قبول کرتا ہے اور نہ عقل عام ہی کسی طرح ماننے کے لیے تیار ہو سکتی ہے۔ صحاح میں یہ اصلاً ابن شہاب زہری کی وساطت سے آئی ہیں۔ ائمۂ رجال انھیں تدلیس اور ادراج کا مرتکب تو قرار دیتے ہی ہیں، اس کے ساتھ اگر ان کے وہ خصائص بھی پیش نظر رہیں جو امام لیث بن سعد نے امام مالک کے نام اپنے ایک خط میں بیان فرمائے ہیں تو ان کی کوئی روایت بھی اس طرح کے اہم معاملات میں قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ وہ لکھتے ہیں:

و كان يكون من ابن شهاب اختلاف كثير اذا لقيناه، و اذا كاتبه بعضنا فربما كتب في الشيء الواحد على فضل رأيه وعلمه بثلاثة انواع ينقض بعضها بعضًا، ولا يشعر	"اور ہم لوگ جب ابن شہاب سے ملتے تھے تو بہت سے تضادات سامنے آتے اور ہم میں سے کوئی جب اُن سے لکھ کر دریافت کرتا تو علم و عقل میں فضیلت کے باوجود ایک ہی چیز کے متعلق اُن کا جواب تین طرح کا ہوا کرتا تھا

میزان ۳۱

قارئین کرام! یہاں پر ہم غامدی صاحب کی کتاب میزان سے تین حوالہ جات آپ کی خدمت میں پیش کریں گے جس سے آپ پر غامدی صاحب کا دہرا معیار کھل کر سامنے آجائے گا، ملاحظہ فرمائیں....

حوالہ نمبر 1: غامدی صاحب نے اپنی اسی کتاب میزان کے صفحہ 586 اور 587 پر ایک حدیث نقل کی ہے جس کے حاشیہ میں انہوں نے صحیح بخاری، رقم الحدیث 2787 کا حوالہ دیا ہے۔۔۔۔۔ جبکہ اسی حدیث مبارکہ کے تیسرے راوی وہی ابن شہاب زہری رحمہ اللہ ہیں جن پر غامدی صاحب نے میزان کے صفحہ 31 پر تنقید کی تھی اور کہا تھا کہ انکی کوئی روایت قابل قبول نہیں ہوگی۔

(ملاحظہ فرمائیں میزان طبع پنجم دسمبر 2009 حاشیہ صفحہ 587)

(نیز ملاحظہ فرمائیں سکین نمبر 2 اور 3)

حوالہ نمبر 2: غامدی صاحب نے اپنی اسی کتاب میزان کے صفحہ 620 پر ایک اور حدیث کا ذکر کیا ہے جو کہ صحیح بخاری کی حدیث نمبر 1499 ہے۔ جس کا حوالہ غامدی صاحب نے صفحہ 620 کے حاشیہ میں دیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ جبکہ اسی حدیث مبارکہ کے تیسرے راوی بھی وہی ابن شہاب زہری رحمہ اللہ ہیں جن پر غامدی صاحب نے میزان کے صفحہ 31 پر تنقید کی تھی اور کہا تھا کہ انکی کوئی روایت قابل قبول نہیں۔

(ملاحظہ فرمائیں میزان طبع پنجم دسمبر 2009 حاشیہ صفحہ 620)

(نیز ملاحظہ فرمائیں سکین نمبر 4 اور 5)

حوالہ نمبر 1 کے سکین ملاحظہ فرمائیں

2

رہے اور رات کو نماز میں کھڑا رہے، اور اللہ نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے ذمہ لیا ہے کہ انھیں وفات دے گا تو سیدھا بہشت میں لے جائے گا، ورنہ اجر و ثواب اور مال غنیمت دے کر سلامتی کے ساتھ گھر لوٹا دے گا۔[13]

انھی کا بیان ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جو اجر و ثواب میں جہاد کے برابر ہو۔ آپ نے فرمایا: ایسا کوئی عمل نہیں ہے۔ پھر پوچھا: کیا یہ کر سکتے ہو کہ جب مجاہدین گھروں سے نکلیں تو مسجد میں جا کر برابر نماز میں کھڑے رہو، ذرا دم نہ لو اور برابر روزے رکھے جاؤ، کبھی افطار نہ کرو؟ اُس نے کہا: بھلا ایسا کون کر سکتا ہے۔[14]

یہی ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: بہشت میں سو درجے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کیا ہے۔ ان میں سے ہر دو درجوں میں اتنا فاصلہ ہے، جتنا زمین و آسمان میں ہے۔[15]

انھی کی روایت ہے کہ حضور نے فرمایا: اُس پروردگار کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اللہ کی راہ میں جو شخص بھی زخمی ہوا ——— اور اللہ خوب جانتا ہے کہ کون فی الواقع اُس کی راہ میں زخمی ہوا ہے ——— وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ رنگ تو خون کا رنگ ہوگا اور خوشبو مشک کی ہوگی۔[16]

ابن جبر کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس بندے کے پاؤں اللہ کی راہ میں غبار آلود ہوئے، اُسے دوزخ کی آگ چھوئے گی بھی نہیں۔[17]

سہل بن سعد کہتے ہیں کہ آپ کا ارشاد ہے: دشمن سے حفاظت کے لیے سرحد پر ایک دن کا قیام دنیا اور اُس کی ہر چیز سے بہتر ہے۔[18]

اخلاقی حدود

تیسری بات ان آیات سے یہ واضح ہوتی ہے کہ اللہ کی راہ میں یہ قتال اخلاقی حدود سے بے پروا ہو کر نہیں کیا جا سکتا۔ اخلاقیات ہر حال میں اور ہر چیز پر مقدم ہیں اور جنگ و جدال کے موقع پر بھی اللہ تعالیٰ نے ان سے انحراف کی اجازت کسی

[13] بخاری، رقم ۲۷۸۷۔
[14] بخاری، رقم ۲۷۸۵۔
[15] بخاری، رقم ۲۷۹۰۔
[16] بخاری، رقم ۲۸۰۳۔ مسلم، رقم ۴۸۵۹۔
[17] بخاری، رقم ۲۸۱۱۔
[18] بخاری، رقم ۲۸۹۲۔

3

اللَّيْثِيُّ أَنَّ أَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حَدَّثَهُ قَالَ: قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللهِ أَيُّ النَّاسِ أَفْضَلُ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: ((مُؤْمِنٌ يُجَاهِدُ فِي سَبِيْلِ اللهِ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ)). قَالُوْا: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ((مُؤْمِنٌ فِي شِعْبٍ مِنَ الشِّعَابِ يَتَّقِي اللهَ وَيَدَعُ النَّاسَ مِنْ شَرِّهِ)). [طرفه في: ٦٤٩٤].

بن یزید لیثی نے کہا اور ان سے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کون شخص سب سے افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ مومن جو اللہ کے راستے میں اپنی جان اور مال سے جہاد کرے۔ صحابہؓ نے پوچھا اور اس کے بعد کون؟ فرمایا وہ مومن جو پہاڑ کی کسی گھاٹی میں رہنا اختیار کرے، اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتا ہو اور لوگوں کو چھوڑ کر اپنی برائی سے ان کو محفوظ رکھے۔

تشریح: جب آدمی لوگوں میں رہتا ہے تو ضرور کسی نہ کسی کی غیبت کرتا ہے یا غیبت سنتا ہے یا کسی پر غصہ کرتا ہے، اس کو ایذا دیتا ہے۔ تنہائی اور عزلت میں اس کے شر سے سب لوگ بچے رہتے ہیں۔ اس حدیث سے اس نے دلیل لی جو عزلت اور گوشہ نشینی کو اختلاط سے بہتر جانتا ہے۔ جمہور کا مذہب ہے کہ اختلاط افضل ہے اور حق یہ ہے کہ یہ مختلف ہے باختلاف اشخاص اور احوال اور زمانہ اور موقع کے۔ جس شخص سے مسلمانوں کو دینی اور دنیاوی فائدے پہنچتے ہوں اور وہ لوگوں کی برائیوں پر صبر کر سکے، اس کیلئے اختلاط افضل ہے اور جس شخص سے اختلاط سے گناہ سرزد ہوتے ہوں اور اس کی صحبت سے لوگوں کو ضرر پہنچتا ہو، اس کیلئے عزلت افضل ہے۔ اوپر حدیث میں ای الناس افضل کونسا آدمی بہتر ہے جواب میں جو کچھ آنحضرت ﷺ نے فرمایا حقیقت میں ایسا مسلمان دوسرے سب مسلمانوں سے افضل ہو گا کیونکہ جان اور مال دنیا کی سب چیزوں میں آدمی کو بہت محبوب ہیں تو ان کا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والا سب سے بڑھ کر ہو گا بعضوں نے کہا لوگوں سے عام مسلمان مراد ہیں ورنہ علماء اور صدیقین مجاہدین سے بھی افضل ہیں۔ میں (مولانا وحید الزمان مرحوم) کہتا ہوں کفار اور ملحدین اور مخالفین دین سے بحث مباحثہ کرنا اور ان کے اعتراضات کا جو وہ اسلام پر کریں، جواب دینا اور ایسی کتابوں کا چھاپنا اور چھپوانا یہ بھی جہاد ہے (وحیدی) اس نازک دور میں جبکہ عام لوگ قرآن و حدیث سے بے رغبتی کر رہے ہیں اور دن بدن جہالت و ضلالت کے غار میں گرتے چلے جا رہے ہیں، بخاری شریف جیسی اہم پاکیزہ کتاب کا با ترجمہ و تشریح شائع کرنا بھی جہاد سے کم نہیں ہے اور میں اپنے انشراح صدر کے مطابق یہ کہنے کیلئے تیار ہوں کہ جو حضرات اس کار خیر میں حصہ لے کر اسکی تکمیل کا شرف حاصل کرنے والے ہیں یقیناً وہ اللہ کے دفتر میں اپنے مالوں سے مجاہدین فی سبیل اللہ کے دفتر میں لکھے جا رہے ہیں (راز)

٢٧٨٧- حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِيْ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: ((مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيْلِ اللهِ - وَاللهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُجَاهِدُ فِي سَبِيْلِهِ - كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ. وَتَوَكَّلَ اللهُ لِلْمُجَاهِدِ فِي سَبِيْلِهِ بِأَنْ يَتَوَفَّاهُ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ أَوْ

(۲۷۸۷) ہم سے ابو الیمان نے بیان کیا، کہا ہم کو شعیب نے خبر دی، ان سے زہری نے بیان کیا کہ مجھے سعید بن مسیب نے خبر دی اور ان سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپؐ فرما رہے تھے کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی مثال ---- اور اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوب جانتا ہے جو (خلوص دل کے ساتھ صرف اللہ کی رضا کیلئے) اللہ کے راستے میں جہاد کرتا ہے ---- اس شخص کی سی ہے جو رات میں برابر نماز پڑھتا رہے اور دن میں برابر روزے رکھتا رہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے راستے میں جہاد کرنے

حوالہ نمبر 2 کے سکین ملاحظہ فرمائیں

4

کفارے میں اور اپنے پروردگار کے حضور میں توبہ کے لیے، اس کے ساتھ ایک مسلمان غلام بھی آزاد کرے۔

دوم یہ کہ وہ اگر دشمن قوم کا کوئی مسلمان ہے تو قاتل پر دیت کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ اس صورت میں یہی کافی ہے کہ اپنے اس گناہ کو دھونے کے لیے وہ ایک مسلمان غلام آزاد کردے۔

سوم یہ کہ ان دونوں صورتوں میں اگر غلام میسر نہ ہو تو اس کے بدلے میں مسلسل دو مہینے کے روزے رکھے۔

یہ کسی شخص کے غلطی سے قتل ہو جانے کا حکم ہے، لیکن صاف واضح ہے کہ جراحات کا حکم بھی یہی ہونا چاہیے۔ چنانچہ ان میں بھی دیت ادا کی جائے گی اور اس کے ساتھ کفارے کے روزے بھی دیت کی مقدار کے لحاظ سے لازماً رکھے جائیں گے۔ یعنی، مثال کے طور پر، اگر کسی زخم کی دیت ایک تہائی مقرر کی گئی ہے تو کفارے کے بیس روزے بھی لازماً رکھنا ہوں گے۔

عمد اور خطا کے اس قانون میں قصاص اور کفارے کا معاملہ تو واضح ہے، لیکن قتل و جراحت کی ان دونوں صورتوں میں دیت کس طریقے سے اور کتنی دی جائے گی؟ نساء کی جو آیت اوپر نقل ہوئی ہے، اس میں اس کے لیے 'دِیَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓی اَهْلِهٖ' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ لفظ 'دیۃ' اگر غور کیجیے تو ان میں نکرہ آیا ہے۔ اسم نکرہ کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ اپنے مفہوم کے تعین میں یہ لغت و عرف اور سیاق کلام کی دلالت کے سوا کسی چیز کا محتاج نہیں ہوتا۔ لہٰذا 'دیۃ' کے معنی ہیں: وہ شے جو دیت کے نام سے معروف ہے اور 'دِیَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓی اَهْلِهٖ' کے الفاظ حکم کے جس منشا پر دلالت کرتے ہیں، وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ مخاطب کے عرف میں جس چیز کا نام دیت ہے، وہ مقتول کے ورثہ کے سپرد کر دی جائے۔ سورۂ بقرہ میں قرآن مجید نے جہاں قتل عمد کی دیت کا حکم بیان کیا ہے، وہاں یہی بات لفظ 'معروف' کی صراحت کے ساتھ بیان فرمائی ہے:

فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ. (۲: ۱۷۸)	"پھر جس کے لیے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ رعایت کی گئی تو دستور کے مطابق اس کی پیروی کی جائے اور جو کچھ بھی خوں بہا ہو، وہ خوبی کے ساتھ ادا کر دیا جائے۔"

نساء اور بقرہ کی ان آیات سے واضح ہے کہ خطا اور عمد، دونوں میں قرآن کا حکم یہی ہے کہ دیت معاشرے کے دستور

؎ چنانچہ اگر غلطی نہ ہو تو یہ قانون اس سے متعلق نہ ہوگا۔ بخاری (رقم ۱۴۹۹) کی روایت ہے: 'العجماء جبار والبئر جبار والمعدن جبار' (جانور نے مارا ہو تو اس کے مالک پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے، کنوئیں میں گرا ہو تو اس کے مالک پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے، کان میں حادثہ پیش آ جائے تو اس کے مالک پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے)۔ یعنی اس صورت میں کوئی ذمہ داری نہیں ہے، جب مالک کی کسی غلطی کو اس میں کوئی دخل نہ ہو۔

جاوید احمد غامدی

میزان

المورد

ادارۂ علم و تحقیق

5

اس سلسلہ میں احناف کے بھی کچھ دلائل ہیں۔ جن کی بنا پر وہ معدن کو بھی رکاز میں داخل کرتے ہیں۔ کیونکہ لغت میں ارکز المعدن کا لفظ مستعمل ہے جب کان سے کوئی چیز نکلے تو کہتے ہیں ارکز المعدن حضرت امام بخاریؒ نے اس کا الزامی جواب دیا ہے کہ لفظ ارکز تو مجازاً بعض دفعہ نفع کثیر پر بھی بولا جاتا ہے۔ وہ نفع کثیر کسی کو کسی کی بخشش سے حاصل ہو یا تجارتی منافع سے ہو یا کثرت پیداوار سے ایسے مواقع پر بھی لفظ ارکزت بول دیتے ہیں۔ یعنی تجھے خزانہ مل گیا۔ تو کیا اس طرح بول دینے سے اسے بھی رکاز کے ذیل میں لایا جا سکتا ہے؟ پس ایسے ہی مجازاً یہ لفظ کان پر بھی بول دیا گیا ہے۔ ورنہ حقیقت یہی ہے کہ کان رکاز میں داخل نہیں ہے۔ اس کا مزید ثبوت خود حنفی حضرات کا یہ فتویٰ ہے کہ کان کہیں پوشیدہ جگہ میں مل جائے تو پانے والا اسے چھپا بھی سکتا ہے۔ اور ان کے فتویٰ کے مطابق جو پانچواں حصہ اسے ادا کرنا ضروری تھا' اسے وہ اپنے ہی اوپر خرچ کر سکتا ہے۔ یہ فتویٰ بھی دلالت کر رہا ہے کہ رکاز اور معدن دونوں الگ الگ ہیں۔ چند روایات بھی ہیں جو مسلک حنفیہ کی تائید میں پیش کی جاتی ہیں۔ لیکن سند کے اعتبار سے وہ بخاری شریف کی روایات مذکورہ کے برابر نہیں ہیں۔ لہٰذا ان سے استدلال ضعیف ہے۔

سارے طول طویل مباحث کے بعد حضرت شیخ الحدیث موصوف فرماتے ہیں:

والقول الراجح عندنا هو ما ذهب اليه الجمهور من ان الركاز انما هو كنز الجاهلية الموضوع في الارض وانه لا يعم المعدن بل هو غيره والله تعالى اعلم. یعنی ہمارے نزدیک رکاز کے متعلق جمہور ہی کا قول راجح ہے کہ وہ دور جاہلیت کے دفینے ہیں جو پہلے لوگوں نے زمین میں دفن کر دیئے ہیں۔ اور لفظ رکاز میں معدن داخل نہیں ہے۔ بلکہ ہر دو الگ الگ ہیں۔ اور رکاز میں خمس ہے۔

رکاز کے متعلق اور بھی بہت سی تفصیلات ہیں کہ اس کا نصاب کیا ہے؟ قلیل یا کثیر میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ اور اس پر سال گزرنے کی قید ہے یا نہیں؟ اور وہ سونے چاندی کے علاوہ لوہا' تانبا' سیسہ' پیتل وغیرہ کو بھی شامل ہے یا نہیں؟ اور رکاز کا مصرف کیا ہے؟ اور کیا ہر پانے والے پر اس میں خمس واجب ہے؟ پانے والا غلام ہو یا آزاد ہو' مسلم ہو یا ذمی ہو؟ رکاز کی پہچان کیا ہے؟ کیا یہ ضروری ہے کہ اس کے سکوں پر پہلے کسی بادشاہ کا نام یا اس کی تصویر یا کوئی اور علامت ہونی ضروری ہے وغیرہ وغیرہ ان جملہ مباحث کے لیے اہل علم حضرات مرعاۃ المفاتیح جلد ۳ ص ۶۴ و ۶۵ کا مطالعہ فرمائیں جہاں حضرت الاستاذ مولانا عبیداللہ صاحب مد ظلہ نے تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے جزاہ اللہ خیر الجزاء فی الدارین۔ میں اپنے ان مختصر صفحات میں تفصیل مزید سے قاصر ہوں اور عوام کے لیے میں نے جو لکھ دیا ہے اسے کافی سمجھتا ہوں۔

۱۴۹۹- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَعَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((الْعَجْمَاءُ جُبَارٌ، وَالْبِئْرُ جُبَارٌ، وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ، وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ)).

[أطرافه في: ۲۳۵۵، ۶۹۱۲، ۶۹۱۳].

(۱۴۹۹) ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا' انہوں نے کہا کہ ہمیں امام مالک نے خبر دی' انہیں ابن شہاب نے' ان سے سعید بن مسیب اور ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کیا' اور ان سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا۔ جانور سے جو نقصان پہنچے اس کا کچھ بدلہ نہیں اور کنویں کا بھی یہی حال ہے اور کان کا بھی یہی حکم ہے اور رکاز میں سے پانچواں حصہ لیا جائے۔

۶۷- بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى:

باب اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ میں فرمایا زکوٰۃ کے

حوالہ نمبر 3: پھر غامدی صاحب نے اپنی اسی کتاب میزان کے صفحہ 638 پر صحیح مسلم کے حوالے سے ایک حدیث نقل کی ہے جسکا نمبر 806 ہے۔۔۔۔۔۔۔۔جبکہ اسی حدیث مبارکہ کے چوتھے راوی بھی وہی ابن شہاب زہری رحمہ اللہ ہیں جن پر غامدی صاحب نے میزان کے صفحہ 31 پر تنقید کی تھی اور کہا تھا کہ انکی کوئی روایت قابل قبول نہیں۔

(ملاحظہ فرمائیں میزان طبع پنجم دسمبر 2009 صفحہ 638)

خورونوش

قال: تصدق على مولاة لميمونة بشاة فماتت، فمر بها رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: هلا اخذتم اهابها فدبغتموه فانتفعتم به؟ فقالوا: انها ميتة، فقال: انما حرم اكلها. (مسلم، رقم ۸۰۶)

"سیدہ میمونہ کی ایک لونڈی کو بکری صدقے میں دی گئی تھی۔ وہ مر گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں سے گزر ہوا تو آپ نے فرمایا: تم نے اس کی کھال کیوں نہیں اتاری کہ دباغت کے بعد اس سے فائدہ اٹھاتے؟ لوگوں نے عرض کیا: یہ تو مردار ہے۔ آپ نے فرمایا: اس کا صرف کھانا ہی حرام ہے۔"

میزان ۶۳۸

۳-كتاب الحيض 446

أَحَدُكُمْ فِي بَطْنِهِ شَيْئًا فَأَشْكَلَ عَلَيْهِ، أَخَرَجَ مِنْهُ شَيْءٌ أَمْ لَا، فَلَا يَخْرُجَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا».

ہے یا نہیں تو ہرگز مسجد سے نہ نکلے یہاں تک کہ آواز سنے یا بو محسوس کرلے۔"

(المعجم ٢٨) - (بَابُ طَهَارَةِ جُلُودِ الْمَيْتَةِ بِالدِّبَاغِ) (التحفة ٦١)

باب 27- مرے ہوئے جانور کا چمڑہ رنگنے سے پاک ہو جاتا ہے

[٨٠٦] ١٠٠-(٣٦٣) وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَعَمْرٌو النَّاقِدُ، وَابْنُ أَبِي عُمَرَ، جَمِيعًا عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ قَالَ يَحْيَى: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: تُصُدِّقَ عَلَى مَوْلَاةٍ لِمَيْمُونَةَ بِشَاةٍ، فَمَاتَتْ، فَمَرَّ بِهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «هَلَّا أَخَذْتُمْ إِهَابَهَا، فَدَبَغْتُمُوهُ، فَانْتَفَعْتُمْ بِهِ؟» فَقَالُوا: إِنَّهَا مَيْتَةٌ، فَقَالَ: «إِنَّمَا حَرُمَ أَكْلُهَا».

[806] یحییٰ بن یحییٰ، ابوبکر بن ابی شیبہ، عمرو ناقد اور ابن ابی عمر سب نے سفیان بن عیینہ سے، انھوں نے زہری سے، انھوں نے عبیداللہ بن عبداللہ سے، انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی، کہا: سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ لونڈی کو صدقے میں بکری دی گئی، وہ مر گئی، رسول اللہ ﷺ اس کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا: "تم نے اس کا چمڑا کیوں نہ اتارا، اس کو رنگ لیتے اور اس سے فائدہ اٹھا لیتے!" لوگوں نے بتایا: یہ مردار ہے۔ آپ نے فرمایا: "بس اس کا کھانا حرام ہے۔"

قَالَ أَبُو بَكْرٍ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ فِي حَدِيثِهِمَا: عَنْ مَيْمُونَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا.

ابوبکر اور ابن ابی عمر نے اپنی روایت میں عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مَيْمُونَةَ کہا (سند میں روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آگے میمونہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کی۔)

[٨٠٧] ١٠١-(...) وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَجَدَ شَاةً مَيْتَةً، أُعْطِيَتْهَا مَوْلَاةٌ لِمَيْمُونَةَ، مِنَ الصَّدَقَةِ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «هَلَّا انْتَفَعْتُمْ بِجِلْدِهَا؟» قَالُوا: «إِنَّهَا مَيْتَةٌ» قَالَ: «إِنَّمَا حَرُمَ أَكْلُهَا».

[807] ابن شہاب زہری کے دوسرے شاگرد یونس نے باقی ماندہ سابقہ سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مردار بکری (پڑی) پائی جو سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی کو صدقے میں دی گئی تھی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم نے اس کے چمڑے سے فائدہ کیوں نہ اٹھایا!" لوگوں نے کہا: یہ مردار ہے۔ آپ نے فرمایا: "بس اس کا کھانا حرام ہے۔"

اب ہم غامدی صاحب اوران کے سٹوڈنٹس کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ اگر میزان کے صفحہ 31 پر ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کی روایت قابل قبول نہیں ہے تو پھر اسی کتاب میزان کے 586،620 اور 638 کے صفحات پر انہی ابن شہاب زہری کی روایات آپ کے لیے قابل قبول کیسے ہوگئیں؟ یہ تو غامدی صاحب کے اپنے ہی منہج واستدلال میں واضح ٹکراؤ اور تضاد ہے۔

قارئین کرام! اب تک ہم نے آپ حضرات کی خدمت میں ابوعبدالرحمٰن السلمی ،امام ابن سیرین، امام زرکشی اور ابن شہاب زہری رحمہم اللہ کی بابت غامدی صاحب کی طرف سے عوام الناس کو، انکی علمی خیانتوں اور دہرے معیار کی صورت میں دیے جانے والے دھوکے کو روز روشن کی طرح واضح کر کے رکھ دیا ہے۔ غامدی صاحب کے حلقہ احباب کی طرف سے یہ دعوی کیا جاتا ہے کہ کوئی غامدی صاحب کو بنائے گئے اصولوں کو دلیل سے رد نہیں کرسکتا جبکہ صورتحال تو یہ ہے کہ موصوف نے خود اپنے بنائے ہوئے اصولوں کو روند کر رکھا ہوا ہے، وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ ۔

ابن شہاب زہری اور امام لیث بن سعد رحمہم اللہ کے خط کی بابت غامدی کی عظیم خیانت

قارئین کرام! جیسا کہ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ غامدی صاحب قرآن مجید کی صرف ایک قراءت کو تسلیم کرتے ہیں اس کے علاوہ بقیہ تمام قراءات کو عجم کا فتنہ قرار دیتے ہیں لہٰذا اسی سلسلہ میں غامدی صاحب نے اپنے اس باطل مؤقف کی تائید میں اپنی کتاب ''میزان'' کے صفحہ 31 پر قراءات کے حوالے سے صحاح میں جو احادیث مبارکہ موجود ہیں انکے متعلق لکھتے ہیں کہ...

"صحاح میں یہ (احادیث۔ناقل) اصلاً ابن شہاب زہری کی وساطت سے آئی ہیں۔ آئمہ رجال انہیں تدلیس اور ادراج کا مرتکب تو قرار دیتے ہیں، اس کے ساتھ اگر ان کے وہ خصائص بھی پیش نظر رہیں جو امام لیث بن سعد نے امام مالک کے نام اپنے ایک خط میں بیان فرمائے ہیں تو ان کی کوئی روایت بھی اِس طرح کے اہم معاملات میں قابل قبول نہیں ہوسکتی۔"

(ملاحظہ فرمائیں میزان طبع پنجم دسمبر 2009 صفحہ 31)

(نیز ملاحظہ فرمائیں سکین نمبر 1 اور 2)

1

اصول ومبادی

دوم یہ کہ اِس کی واحد معقول توجیہ اگر کوئی ہوسکتی تھی تو یہی ہوسکتی تھی کہ 'سبعة احرف' کو اِس میں ع... لغات اور لہجوں پر محمول کیا جائے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ روایت کا متن ہی اِس کی تردید کر دیتا ہے۔ ہر شخص جا... اور عمر فاروق، جن دو بزرگوں کے مابین اختلاف کا ذکر اِس روایت میں ہوا ہے، دونوں قریشی ہیں جن میں ظاہر ہے کہ اِس طرح کے کسی اختلاف کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

سوم یہ کہ اختلاف اگر الگ الگ قبیلوں کے افراد میں بھی ہوتا تو 'انزل' (نازل کیا گیا) کا لفظ اِس روایت میں نا قابل توجیہ ہی تھا، اِس لیے کہ قرآن نے اپنے متعلق یہ بات پوری صراحت کے ساتھ بیان فرمائی ہے کہ وہ قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ اِس کے بعد یہ بات تو بے شک، مانی جا سکتی ہے کہ مختلف قبیلوں کو اِسے اپنی اپنی زبان اور لہجے میں پڑھنے کی اجازت دی گئی، لیکن یہ بات کس طرح مانی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اِسے مختلف قبیلوں کی زبان میں اتارا تھا؟

چہارم یہ کہ ہشام کے بارے میں معلوم ہے کہ فتح مکہ کے دن ایمان لائے تھے۔ لہٰذا اِس روایت کو مانیے تو یہ بات بھی ماننا پڑتی ہے کہ فتح مکہ کے بعد تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابہ، یہاں تک کہ سیدنا عمر جیسے شب وروز کے ساتھی بھی اِس بات کا علم نہیں رکھتے تھے کہ قرآن مجید کو آپ چپکے چپکے اُس سے مختلف طریقے پر لوگوں کو پڑھا دیتے ہیں جس طریقے سے وہ کم وبیش بیس سال تک آپ کی زبان سے علانیہ اُسے سنتے اور آپ کی ہدایت کے مطابق اُسے سینوں اور سفینوں میں محفوظ کرتے رہے ہیں۔ ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ کیسی سنگین بات ہے اور اِس کی زد کہاں کہاں پڑ سکتی ہے؟

یہی معاملہ اُن روایتوں کا بھی ہے جو سیدنا صدیق اور اُن کے بعد سیدنا عثمان کے دور میں قرآن کی جمع وتدوین سے متعلق حدیث کی کتابوں میں نقل ہوئی ہیں۔ قرآن، جیسا کہ اِس بحث کی ابتدا میں بیان ہوا، اِس معاملے میں بالکل صریح ہے کہ وہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حین حیات مرتب ہوا ہے، لیکن یہ روایتیں اِس کے برخلاف ایک دوسری ہی داستان سناتی ہیں جسے نہ قرآن قبول کرتا ہے اور نہ عقل عام ہی کسی طرح ماننے کے لیے تیار ہوسکتی ہے۔ صحاح میں یہ اصلاً ابن شہاب زہری کی وساطت سے آئی ہیں۔ ائمۂ رجال اِنھیں تدلیس اور ادراج کا مرتکب تو قرار دیتے ہی ہیں، اِس کے ساتھ اگر اِن کے وہ خصائص بھی پیش نظر رہیں جو امام لیث بن سعد نے امام مالک کے نام اپنے ایک خط میں بیان فرمائے ہیں تو اِن کی کوئی روایت بھی اِس طرح کے اہم معاملات میں قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ وہ لکھتے ہیں:

و كان يكون من ابن شهاب اختلاف كثير اذا لقيناه ، و اذا كاتبه بعضنا فربما كتب فی الشيء الواحد على فضل رأيه و علمه بثلاثة انواع ينقض بعضها بعضًا، ولا يشعر	''اور ہم لوگ جب ابن شہاب سے ملتے تھے تو بہت سے تضادات سامنے آتے اور ہم میں سے کوئی جب اُن سے لکھ کر دریافت کرتا تو علم وعقل میں فضیلت کے باوجود ایک ہی چیز کے متعلق اُن کا جواب تین طرح کا ہوا کرتا تھا

دوم یہ کہ اِس کی واحد معقول توجیہ اگر کوئی ہوسکتی تھی تو یہی ہوسکتی تھی کہ 'سبعة احرف' کو اِس میں عربوں کے مختلف لغات اور لہجوں پر محمول کیا جائے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ روایت کا متن ہی اِس کی تردید کر دیتا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ ہشام اور عمر فاروق، جن دو بزرگوں کے مابین اختلاف کا ذکر اِس روایت میں ہوا ہے، دونوں قریشی ہیں جن میں ظاہر ہے کہ اِس طرح کے کسی اختلاف کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

سوم یہ کہ اختلاف اگر الگ الگ قبیلوں کے افراد میں بھی ہوتا تو 'انزل' (نازل کیا گیا) کا لفظ اِس روایت میں ناقابل توجیہ ہی تھا، اِس لیے کہ قرآن نے اپنے متعلق یہ بات پوری صراحت کے ساتھ بیان فرمائی ہے کہ وہ قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ اِس کے بعد یہ بات تو بے شک، مانی جاسکتی ہے کہ مختلف قبیلوں کو اِسے اپنی اپنی زبان اور لہجے میں پڑھنے کی اجازت دی گئی، لیکن یہ بات کس طرح مانی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اِسے مختلف قبیلوں کی زبان میں اتارا تھا؟

چہارم یہ کہ ہشام کے بارے میں معلوم ہے کہ فتح مکہ کے دن ایمان لائے تھے۔ لہٰذا اِس روایت کو مانیے تو یہ بات بھی ماننا پڑتی ہے کہ فتح مکہ کے بعد تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابہ، یہاں تک کہ سیدنا عمر جیسے شب و روز کے ساتھی بھی اِس بات کا علم نہیں رکھتے تھے کہ قرآن مجید کو آپ چپکے چپکے اُس سے مختلف طریقے پر لوگوں کو پڑھا دیتے ہیں جس طریقے سے وہ کم و بیش بیس سال تک آپ کی زبان سے علانیہ اُسے سنتے اور آپ کی ہدایت کے مطابق اُسے سینوں اور سفینوں میں محفوظ کرتے رہے ہیں۔ ہر شخص اندازہ کرسکتا ہے کہ یہ کیسی سنگین بات ہے اور اِس کی زد کہاں کہاں پڑ سکتی ہے؟

یہی معاملہ اُن روایتوں کا بھی ہے جو سیدنا صدیق اور اُن کے بعد سیدنا عثمان کے دور میں قرآن کی جمع و تدوین سے متعلق حدیث کی کتابوں میں نقل ہوئی ہیں۔ قرآن، جیسا کہ اِس بحث کی ابتدا میں بیان ہوا، اِس معاملے میں بالکل صریح ہے کہ وہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حین حیات مرتب ہوا ہے، لیکن یہ روایتیں اِس کے برخلاف ایک دوسری ہی داستان سناتی ہیں جسے نہ قرآن قبول کرتا ہے اور نہ عقل عام ہی کسی طرح ماننے کے لیے تیار ہوسکتی ہے۔ صحاح میں یہ اصلاً ابن شہاب زہری کی وساطت سے آئی ہیں۔ ائمۂ رجال اِنھیں تدلیس اور ادراج کا مرتکب تو قرار دیتے ہی ہیں، اِس کے ساتھ اگر اِن کے وہ خصائص بھی پیش نظر رہیں جو امام لیث بن سعد نے امام مالک کے نام اپنے ایک خط میں بیان فرمائے ہیں تو اِن کی کوئی روایت بھی اِس طرح کے اہم معاملات میں قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ وہ لکھتے ہیں:

وکان یکون من ابن شھاب اختلاف کثیر اذا لقیناہ، و اذا کاتبہ بعضنا فربما کتب فی الشيء الواحد علی فضل رأیہ وعلمہ بثلاثة انواع ینقض بعضھا بعضًا، ولا یشعر

''اور ہم لوگ جب ابن شہاب سے ملتے تھے تو بہت سے تضادات سامنے آتے اور ہم میں سے کوئی جب اُن سے لکھ کر دریافت کرتا تو علم و عقل میں فضیلت کے باوجود ایک ہی چیز کے متعلق اُن کا جواب تین طرح کا ہوا کرتا تھا

بالذی مضی من رأیہ فی ذلك الامر. فھو الذی یدعونی الی ترك ما انکرت ترکی ایاہ.
(تاریخ یحییٰ بن معین، الدوری ۴/۱۰۹)

جن میں سے ہر ایک دوسرے کا نقیض ہوتا اور اُنھیں اِس بات کا احساس ہی نہیں ہوتا تھا کہ وہ اِس سے پہلے کیا کہہ چکے ہیں۔ میں نے ایسی ہی چیزوں کی وجہ سے اُنھیں چھوڑا تھا، جسے تم نے پسند نہیں کیا۔''

2

یہ اِن روایتوں کی حقیقت ہے، لہٰذا یہ بالکل قطعی ہے کہ قرآن کی ایک ہی قراءت ہے جو ہمارے مصا[illegible] ہے۔ اِس کے علاوہ اِس کی جو قراءتیں تفسیروں میں لکھی ہوئی ہیں یا مدرسوں میں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں یا [illegible] میں لوگوں نے اختیار کر رکھی ہیں، وہ سب اُنھی فتنوں کے باقیات ہیں جن کے اثرات سے ہمارے علوم کا کوئی شعبہ، افسوس ہے کہ محفوظ نہیں رہ سکا۔

اِن کی ابتدا ہوسکتا ہے کہ عرضۂ اخیرہ سے پہلے کی قراءت پر بعض لوگوں کے اصرار اور اُس میں راویوں کے سہو و نسیان ہی سے ہوئی ہو، لیکن بعد میں اُنھی محرکات کے تحت جو وضع حدیث کا باعث ہوئے اِن قراءتوں کے فروغ کا یہ عالم ہوا کہ بنوامیہ کی حکومت کے اختتام تک یہ دسیوں کی تعداد میں منظر عام پر آ چکی تھیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ابوعبید قاسم بن سلام نے، جن کی وفات ۲۲۴ھ میں ہوئی، اِن میں سے پچیس کا انتخاب اپنی کتاب میں کیا تھا۔ اِس وقت جو سات قراءتیں مشہور ہیں، یہ ابوبکر بن مجاہد نے تیسری صدی کے آخر میں کسی وقت منتخب کی تھیں۔ لہٰذا یہ بات عام طور پر مانی جاتی ہے کہ اِن کی کوئی تعداد متعین نہیں کی جاسکتی، بلکہ ہر وہ قراءت قرآن ہے جس کی سند صحیح ہو، جو مصاحف عثمانی سے احتمالاً ہی سہی، موافقت رکھتی ہو اور کسی نہ کسی پہلو سے عربیت کے مطابق قرار دی جاسکے۔ اِن میں سے بعض کو لوگ متواتر کہتے ہیں، دراں حالیکہ اِن کی جو سندیں کتابوں میں موجود ہیں، اُنھیں دیکھنے کے بعد اِس بات میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ یہ محض آحاد ہیں جن میں سے اکثر کے راوی ائمۂ رجال کے نزدیک مجروح ہیں۔ چنانچہ قرآن متواتر تو ایک طرف، اِنھیں کوئی صاحب نظر حدیث کی حیثیت سے بھی آسانی کے ساتھ قبول نہیں کرسکتا۔

الفاظ کی دلالت

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ الفاظ کی دلالت سے متعلق یہ ساری تقریر ہی محل نظر ہے۔ دنیا کی ہر زندہ زبان کے الفاظ و اسالیب جن مفاہیم پر دلالت کرتے ہیں، وہ سب متواترات پر مبنی اور ہر لحاظ سے بالکل قطعی ہوتے ہیں۔ لغت و نحو اور اِس طرح کے دوسرے علوم اِسی تواتر کو بیان کرتے ہیں۔ اِس میں نقل کرنے والوں کا صدق و کذب اور اُن کی تعداد سرے سے زیر بحث ہی نہیں ہوتی۔ جن الفاظ و اسالیب کو شاذ اور غریب کہا جاتا ہے، وہ بھی اپنے مفہوم کے لحاظ سے نہیں، بلکہ اپنے استعمال کی قلت و کثرت، اور سننے اور پڑھنے والوں کے علم و اطلاع کے لحاظ سے شاذ اور غریب کہلاتے ہیں۔ لفظ اور معنی کا سفر کبھی الگ الگ نہیں ہوتا، وہ جب تک مستعمل رہتا ہے، اپنے معنی کے ساتھ مستعمل رہتا ہے۔ ہم کسی لفظ کے

غامدی صاحب نے اپنی اس تحریر میں مستشرقین کے طریق پر عمل کرتے ہوئے ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کی ثقاہت کو ضعیف و مجروح قرار دینے کی بھرپور کوشش کی ہے اور اس کے لیے غامدی صاحب نے امام لیث بن سعد رحمہ اللہ کے اس خط کا حوالہ دیا جو انہوں نے امام مالک رحمہ اللہ کی طرف لکھا تھا۔

آیئے پہلے ہم امام لیث بن سعد رحمہ اللہ کے اس خط کی حقیقت آپ حضرات کی خدمت میں پیش کردیتے ہیں جس سے آپ کو کامل یقین ہوجائے گا کہ غامدی صاحب علم کی دنیا میں کتنے بڑے خائن ہیں۔ اس کے بعد ہم آئمہ محدثین اور آئمہ فقہاء اور انکے معاصر علماء کرام کی آراء نقل کریں گے جس سے انکی ثقاہت کا بھی آپ کو علم ہوجائے گا۔

1: پہلی بات تو یہ ہے کہ غامدی صاحب نے امام لیث بن سعد رحمہ اللہ کے جس خط سے استدلال کیا وہ خط "اعلام الموقعین" کتاب میں پایا جاتا ہے اور "اعلام الموقعین" کوئی اسماء الرجال کی کتاب نہیں ہے۔ غامدی صاحب کو یہ چاہیے تھا کہ اگر ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کی شخصیت پر بحث کرنی ہی تھی تو اسماء الرجال کی کتب میں موجود آئمہ جرح و تعدیل کے اقوال کی روشنی میں کرتے۔

2: دوسری بات یہ ہے کہ امام لیث بن سعد رحمہ اللہ کا وہ خط جس کا حوالہ غامدی صاحب نے دیا ہے وہ قریباً تین صفحات پر مشتمل ہے جس میں سے غامدی صاحب نے اپنی پسند کی چند سطریں اخذ کر لیں اور حقیقت کو چھپا لیا۔

جبکہ اگر امام لیث رحمہ اللہ کے اس خط کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بلکل واضح ہو جاتی ہے کہ امام لیث بن سعد رحمہ اللہ نے جو خط امام مالک رحمہ اللہ کو لکھا ہے اس کا موضوع "امام لیث اور امام مالک رحمہم اللہ کے درمیان ایک فقہی مسئلہ میں علمی اختلاف ہے۔"....اور وہ یہ اختلاف ہے کہ امام لیث بن سعد رحمہ اللہ کے نزدیک "عمل اہل مدینہ" کے خلاف فتویٰ دینا جائز ہے جبکہ امام مالک رحمہ اللہ اس کو ناجائز سمجھتے تھے۔

اس پر امام لیث بن سعد رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ کو خط لکھا جس میں مدینہ کے علماء کے باہمی اختلاف اور ان کی آراء کے کمزور پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا تھا اور ان علمائے مدینہ میں ایک ابن شہاب زہری رحمہ اللہ بھی تھے۔ یہ تو ایک فقہی اختلاف ہے جس کی کچھ عبارت کو جناب غامدی صاحب نے درمیان سے اٹھا لیا اور اسے امام لیث بن سعد رحمہ اللہ کی ابن شہاب زہری رحمہ اللہ پر تنقید کے عنوان سے پیش کر دیا جبکہ امام لیث بن سعد رحمہ اللہ نے امام زہری رحمہ اللہ کے علم حدیث میں مقام و مرتبہ کو بیان کرتے وقت اسی مبالغے کا اظہار کیا ہے جو کہ تمام علمائے جرح و تعدیل سے منقول ہے۔

"وقال لیث: مارایت عالما قط اجمع من ابن شہاب ولا اکثر علما منہ۔"

"لیث نے کہا: کہ میں نے ابن شہاب زہری رحمہ اللہ سے زیادہ جامع العلوم کسی عالم کو نہیں دیکھا اور نہ ہی ان سے بڑے کسی عالم کو دیکھا ہے۔" (ملاحظہ فرمائیں کتاب التذکرۃ بمعرفۃ الرجال الکتب العشیرہ صفحہ **1594**)

کتاب التذکرة

بمعرفة رجال الكتب العشرة

لأبى المحاسن محمد بن على العلوى الحسينى

٧١٥ - ٧٦٥ هـ

١٥٩٤

٦٣٦٩ - محمد بن مسلم بن عبد الله بن عبد الله بن شهاب الزُّهْرِيّ ،

أبو بكر المدنى ، أحد الأعلام ، نزل الشام : وروى عن سهل بن سعد ، وابن عمر ، وجابر ، وأنس ، وغيرهم من / الصحابة ، وخَلْقٌ ممن بعدهم . وعنه « فه ، ك » وعطاء ابن أبى رَبَاح ، وعمر بن عبد العزيز ؛ وهما من شيوخه ، وعمرو بن دينار ، وعِرَاك بن مالك ، وابن عُيَيْنَة ، والأوزاعى ، والليث ، وابن جريج ، وخلق كثير . قال أبو بكر بن مَنْجَويه : رأى عشرة من أصحاب النبى ﷺ ، وكان من أحفظ أهل زمانه ، وأحسنهم سِيَاقًا لمتون الأخبار ، وكان فقيهًا فاضلًا . وقال الليث : مارأيت عالمًا قط أجمع من ابن شهاب ، ولا أكثر علمًا منه . قال : وكان ابن شهاب يقول : ما استودعت قلبى شيئًا قط فنسيته . وقال ابن المدينى ، وغير واحد : مات سنة أربع وعشرين ومائة . (ع) .

٢٠٨/ب

٦٣٧٠ - محمد بن مسلم بن عثمان الرَّازِى الحافظ ، المعروف بابن وَارَة : روى عن آدم بن أبى إياس ، وأبى عاصم ، وابن المدينى ، وخَلْق . وعنه « ن » ، والبخارى ، والذُّهْلِى ، وخلق . وثقه « ن » ، وغيره . وقال الخطيب : كان مُتْقِنًا عَالِمًا حافظًا فَهِمًا . وقال غيره : مات بالرَّىّ سنة خمس وستين ومائتين . (ن)

٦٣٧١ - محمد بن مسلم بن أبى الوَضَّاح القُضَاعى ، أبو سعيد

٦٣٦٩ - تقريب (ص ٥٠٦) رقم (٦٢٩٦) قال ابن حجر : « الفقيه الحافظ ، متفق على جلالته وإتقانه . وهو من رءوس الطبقة الرابعة » . تهذيب الكمال رقم (٥٦٠٦) (٤١٩/٢٦) .

٦٣٧٠ - تقريب (ص ٥٠٧) رقم (٦٢٩٧) قال ابن حجر : « ثقة حافظ . من الحادية عشرة » .

- تهذيب الكمال رقم (٥٦٠٧) (٤٤٤/٢٦) .

● **محمد بن مسلم بن مهران** (ت) ، ويقال : ابن إبراهيم بن مسلم بن مهران . تقدم [٥٨٣٤] .

٦٣٧١ - تقريب (ص ٥٠٧) رقم (٦٢٩٨) قال ابن حجر : « مشهور بكنيته : صدوق يهم . من الثامنة . مات بعد الثمانين » . [خت] .

- تهذيب الكمال رقم (٥٦٠٨) (٤٥٢/٢٦) (خت) .

امام لیث بن سعد رحمہ اللہ کے خط کا حوالہ......

(ملاحظہ فرمائیں اعلام الموقعین جلد 2 صفحہ 109)

اعلام الموقعین ۱۰۹

رسول اللہ ﷺ میں اختلاف نہیں کرنے دیتے تھے۔ کسی امر کو جس کی تفسیر قرآن نے کی ہو جس پر عمل رسول اللہ ﷺ کیا ہو وہ نہیں چھوڑتے تھے۔

حضور ﷺ کے بعد جس مسئلہ میں غور و خوض ان پاکباز حضرات نے کیا تھا وہ سب بھی انہیں سکھا دیتے تھے۔ پس جب کوئی ایسا امر آجائے جس میں مصر کے یا شام کے یا عراق کے اصحاب رسول اللہ ﷺ سے کچھ ثابت ہو۔ ان تینوں زمانوں میں سے کسی زمانے میں اور پھر وہ برابر باقی رہا ہو۔ اس کے سوا انہوں نے اور کوئی حکم نہ دیا ہو تو ہمارے نزدیک تو مسلمانوں کو آج ہرگز یہ جائز نہیں کہ کوئی ایسا امر ایجاد کریں جس پر ان صحابہ کا عمل نہ ہو نہ ان کے تابعین کا عمل ہو۔ باوجود اس بات کے کہ اس کے بعد صحابہ میں اکثر فتووں میں اختلاف پیدا ہوا۔ اگر میں اس سے پوری طرح واقف نہ ہوتا تو آپ کو لکھتا۔ پھر تابعین میں بھی فتووں میں اختلاف رونما ہوا۔ سعید بن مسیب جیسے جلیل القدر تابعی اور انہی کے ہم پلہ اور تابعین نے بھی اختلاف کیے اور سخت تر اختلاف ہوئے۔ پھر ان کے بعد والوں میں اختلاف پڑے میں نے ان کی مجلسوں میں مدینہ شریف وغیرہ میں شرکت کی۔ اس وقت ان کے بڑے ابن شہاب اور ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن تھے رحمہما اللہ تعالیٰ۔ حضرت ربیعہ کے بعض اختلافی مسائل تھے جنھیں آپ خوب جانتے ہیں۔ میں نے اپنی موجودگی میں آپ جو ان کے بارے میں فرماتے تھے سنا ہے اور بھی ذی رائے بزرگ اہل مدینہ کے اقوال ان کے بارے میں سنے ہیں۔ جیسے حضرت یحییٰ بن سعید اور عبیداللہ بن عمر اور کثیر بن فرقد وغیرہ جو ان سے بڑی عمر کے تھے۔ یہاں تک کہ آپ تنگ آکر ان کی مجلس سے الگ ہو گئے۔ خود میں نے اور آپ نے اور عبدالعزیز بن عبداللہ نے ربیعہ کے ان بعض مسائل پر جو ان پر بطور طعنہ کے تھے مذاکرہ کیا تھا۔ آپ دونوں میرے موافقین میں تھے۔ میں جن چیزوں پر انکار کرتا تھا آپ بھی میرے انکار میں میرے ہم نوا تھے۔ باوجود اس کے بحمد للہ حضرت امام ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بہت سی خیر و برکت تھی اور سمجھ کی اچھائی اور زبان کی بلاغت اور فضل و بزرگی تھی۔ ان کی روش اسلام خطروں سے خالی تھی وہ اپنے دوستوں سے بہ خندہ پیشانی ملتے تھے۔ بالخصوص ہم سے اللہ ان پر رحمت کرے انہیں بخش دے اور ان کے اعمال سے بہتر بدلہ دے۔ ابن شہاب کے اختلافی مسائل بھی کچھ کم نہ تھے بلکہ ایسا بھی ہوا ہے کہ جب انھوں نے کسی سوال کا جواب لکھا تو باوجود فضیلت' عقل' وفور علم کے تین تین جگہ اپنی ایک ہی تحریر میں مناقضہ کیا ایک بات کے خلاف دوسری لکھ گئے یہ بھی نہ معلوم رہا کہ پہلے میں اس کا کیا فتویٰ دے چکا ہوں۔

یہ وجوہ ہیں جن کی بنا پر میں نے اہل مدینہ کے بعض فتووں کا خلاف کیا۔ جس پر آپ غصے ہو گئے ہیں۔ (۱) مثلاً بارش کی رات میں دو نمازوں کے جمع کرنے کا مسئلہ۔ ظاہر ہے کہ شام کی بارش مدینہ کی بارش سے بہت زیادہ ہوتی ہے لیکن ان میں سے کوئی امام کسی بارش والی رات نہیں نکلا حالانکہ ان میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے' حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے' حضرت یزید بن سفیان تھے' حضرت عمرو بن عاص تھے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ تھے۔ جن کی بابت فرمان رسول ﷺ ہے کہ حلال و حرام کو تم سب سے زیادہ جاننے والے حضرت معاذ بن جبل ہیں۔ یہ قول بھی ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ تمام علماء کے سردار بن کر قیامت کے دن اونچے ٹیلے پر کھڑے ہوں گے۔ اسی طرح ان میں شرحبیل بن حسنہ' ابو درداء' بلال بن رباح تھے رضی اللہ عنہم۔ مصر میں حضرت ابوذر اور حضرت زبیر بن عوام اور حضرت سعد بن وقاص تھے رضی اللہ عنہم۔ حمص میں ستر بدری صحابہ تھے رضی اللہ عنہم۔ اور بھی مسلمانوں کا کوئی لشکر صحابہ رضی اللہ عنہم سے خالی نہ تھا۔ عراق میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تھے' حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ تھے' عمران بن حصین رضی اللہ عنہ تھے۔ یہیں امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کئی برس تک رہے۔ آپ کے ساتھ بھی بہت سے صحابہ
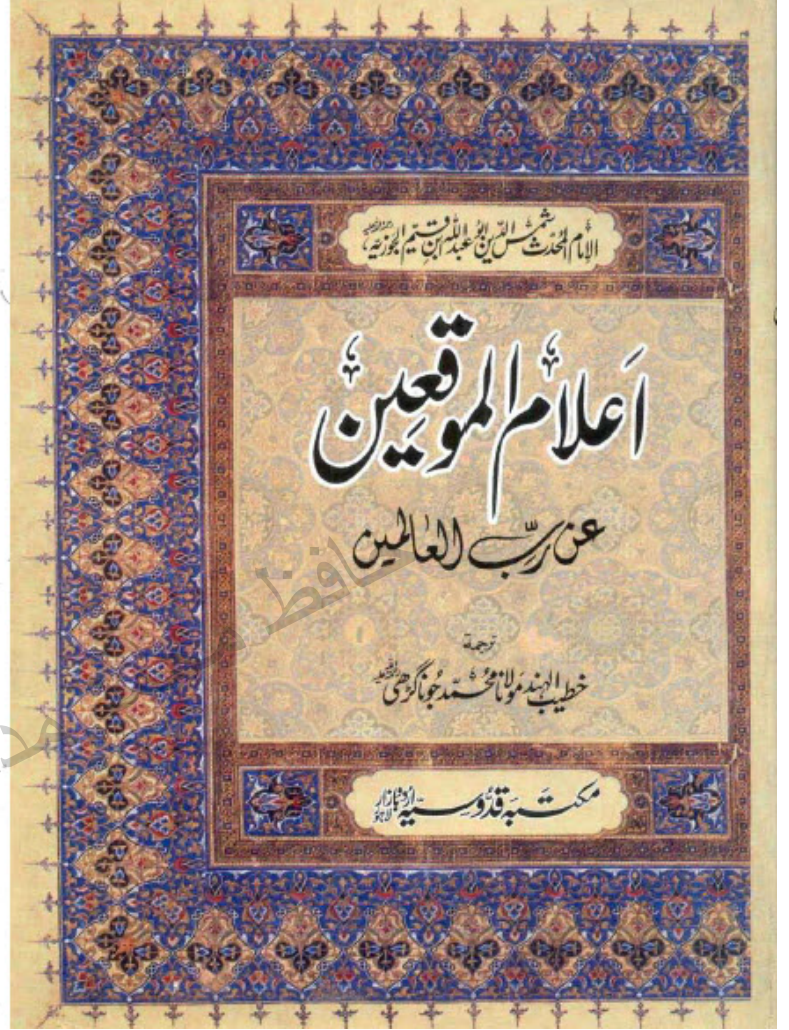
غامدی صاحب نے کمال ہوشیاری کیساتھ امام لیث رحمہ اللہ کی فقہی مسائل کے اختلاف پر امام زہری رحمہ اللہ کی بابت کی جانے والی تنقید کو حدیث کی بابت جوڑ دیا جس سے ان کے قارئین پر یہ تاثر پڑا کہ گویا امام لیث نے امام زہری رحمہم اللہ پر حدیث کے متعلق تنقید کی ہے اور انہیں نا قابل اعتبار سمجھا ہے۔

3: تیسری بات یہ ہے کہ غامدی صاحب کے بقول امام زہری رحمہ اللہ کے بارے میں امام لیث بن سعد رحمہ اللہ نے یہ اعتراض کیا کہ ایک ہی مسئلے میں بعض اوقات ان کے فتاویٰ جات مختلف ہوتے ہیں اور ہوسکتا ہے کہ غامدی صاحب یا انکے سٹوڈنٹس یہ اعتراض کریں کہ جو شخص ایک ہی مسئلہ پر دو الگ الگ فتوے دے سکتا ہے تو کیا اسکی روایت کردہ احادیث میں تضاد نہیں ہوسکتا؟

اس پر ہم یہ کہتے ہیں کہ ایک ہی مسئلے میں امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ جیسے جلیل القدر فقہاء کی بھی ایک سے زائد آراء منقول ہوتی ہیں کیونکہ فتویٰ ہمیشہ حالات کے مطابق ہوتا ہے۔ بعض اوقات ایک شخص کو دیکھ کر مفتی ایک مسئلے میں ایک فتویٰ دیتا ہے اور بعض اوقات دوسرے شخص کو اس کے حالات کے مطابق بالکل اس کے برعکس فتویٰ دیتا ہے جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک نوجوان کو روزے کی حالت میں اپنی بیوی کا بوسہ لینے سے روک دیا جبکہ ایک بوڑھے شخص کو اس کی اجازت دے دی۔ بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک عالم ایک مسئلے میں ایک فتویٰ دیتا ہے بعد میں اس کی رائے تبدیل ہو جاتی ہے اور وہ اس کے بالکل برعکس فتویٰ دیتا ہے جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے بارے میں معروف ہے کہ ان کی ایک قدیم رائے ہے اور ایک جدید رائے ہے۔

4: چوتھی بات یہ ہے کہ امام لیث بن سعد رحمہ اللہ نے امام زہری رحمہ اللہ پر جو جرح کی ہے وہ ان کے فتاویٰ جات کے اعتبار سے ہے نہ کہ ان کی حدیث بیان کرنے کے اعتبار سے۔ اگر وہ حدیث کے معاملے میں بھی ایسا ہی کرتے کہ کبھی ایک روایت کو کچھ الفاظ کے ساتھ اور کبھی اس کے بالکل برعکس الفاظ کے ساتھ نقل کرتے تو امام لیث رحمہ اللہ اس کا ضرور تذکرہ فرماتے۔ جتنی جرح نقل کر کے غامدی صاحب امام زہری رحمہ اللہ کی شخصیت کو متنازعہ بنانا چاہتے ہیں اتنی جرح تو ائمہ رجال کے ہاں حدیث کے مسئلے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر بھی موجود ہے لیکن اس جرح کے باوجود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ایک فقیہ کی حیثیت سب کے نزدیک متفق علیہ اور مسلّم ہے۔ اس لیے امام زہری رحمہ اللہ کے فتاویٰ پر جرح سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ وہ حدیث میں بھی مجروح ہونگے۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ ''فلاں شخص محدث نہیں ہے'' اور اس دعوے کے ثبوت کے لیے اگر اس کے پاس کوئی دلیل بھی ہو تو وہ یہ کہے کہ "فلاں شخص فقیہ نہیں ہے۔"

5: پانچویں بات یہ ہے کہ غامدی صاحب نے امام زہری رحمہ اللہ کے بارے میں امام لیث بن سعد رحمہ اللہ کی جو ایک رائے نقل کی ہے اگر کسی ایک شخص کی رائے پر ہی کسی کے علمی مقام و مرتبہ کے تعین کا انحصار ہے تو ایسی آراء تو ہر فقیہ اور محدث کی ذات یا اس کی کتب کے بارے میں موجود ہیں تو کیا ایسی ایک شاذ رائے کی وجہ سے ان کے تمام علمی کام اور مرتبے کا انکار کر دیا جائے گا؟ کیا جمہور کی رائے کو چھوڑ کر کسی ایک کی رائے پر اتفاق کرنا درست ہے؟

اب ہم امام محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب زہری رحمہ اللہ کی ثقاہت کے متعلق آئمہ محدثین وفقہاء کرام کے اقوال آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں......

وقال لیث: ما رایت عالما قط اجمع من ابن شھاب ولا اکثر علما منہ۔"

"لیث نے کہا: کہ میں نے ابن شہاب زہری رحمہ اللہ سے زیادہ جامع العلوم کسی عالم کو نہیں دیکھا اور نہ ہی ان سے بڑے کسی

عالم کو دیکھا ہے۔"

(ملاحظہ فرمائیں کتاب التذکرۃ بمعرفۃ الرجال الکتب العشیرہ صفہ 1594)

كتاب التذكرة
بمعرفة رجال الكتب العشرة
لأبي المحاسن محمد بن علي العلوي الحسيني
٧١٥ - ٧٦٥هـ

٦٣٦٩ – محمد بن مسلم بن عبد الله بن عبد الله بن شهاب الزُّهْرِيّ ،
أبو بكر المدنى ، أحد الأعلام ، نزل الشام : وروى عن سهل بن سعد ، وابن عمر ، وجابر ، وأنس ، وغيرهم من / الصحابة ، وخَلْقٌ ممن بعدهم . وعنه « فه ، ك » وعطاء ابن أبي رَبَاح ، وعمر بن عبد العزيز ؛ وهما من شيوخه ، وعمرو بن دينار ، وعِرَاك بن مالك ، وابن عُيَيْنَة ، والأوزاعى ، والليث ، وابن جريج ، وخلق كثير . قال أبو بكر بن مَنْجَويه : رأى عشرة من أصحاب النبى ﷺ ، وكان من أحفظ أهل زمانه ، وأحسنهم سِيَاقًا لمتون الأخبار ، وكان فقيهًا فاضلًا . وقال الليث : مارأيت عالمًا قط أجمع من ابن شهاب ، ولا أكثر علمًا منه . قال : وكان ابن شهاب يقول : ما استودعت قلبى شيئًا قط فنسيته . وقال ابن المدينى، وغير واحد : مات سنة أربع وعشرين ومائة . (ع) .

٢٠٨/ب

٦٣٧٠ – محمد بن مسلم بن عثمان الرَّازِى الحافظ ، المعروف بابن وَارَة :
روى عن آدم بن أبى إياس ، وأبى عاصم ، وابن المدينى ، وخَلْق . وعنه « ن » ، والبخارى ، والذُّهْلِى ، وخلق . وثقه « ن » ، وغيره . وقال الخطيب : كان مُتْقِنًا عَالِمًا حافظًا فَهِمًا . وقال غيره : مات بالرَّىِّ سنة خمس وستين ومائتين . (ن)

٦٣٧١ – محمد بن مسلم بن أبى الوَضَّاح القُضَاعى ، أبو سعيد

٦٣٦٩ – تقريب (ص ٥٠٦) رقم (٦٢٩٦) قال ابن حجر : « الفقيه الحافظ ، متفق على جلالته وإتقانه . وهو من رءوس الطبقة الرابعة » . تهذيب الكمال رقم (٥٦٠٦) (٤١٩/٢٦) .

٦٣٧٠ – تقريب (ص ٥٠٧) رقم (٦٢٩٧) قال ابن حجر : « ثقة حافظ . من الحادية عشرة » .
– تهذيب الكمال رقم (٥٦٠٧) (٤٤٤/٢٦) .

● **محمد بن مسلم بن مهران** (ت) ، ويقال : ابن إبراهيم بن مسلم بن مهران . تقدم [٥٨٣٤] .

٦٣٧١ – تقريب (ص ٥٠٧) رقم (٦٢٩٨) قال ابن حجر : « مشهور بكنيته : صدوق يهم . من الثامنة . مات بعد الثمانين » . [خت] .
– تهذيب الكمال رقم (٥٦٠٨) (٤٥٢/٢٦) (خت) .

امیر المؤمنین عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ (المتوفی 101) فرماتے ہیں:

"علیکم بابن شہاب ہذا فانکم لاتلقون أحدا أعلم بالسنۃ الماضیۃ منہ۔"

تم پر ضروری ہے کہ تم اس ابن شہاب کو لازمی پکڑو کیونکہ ان سے زیادہ ماضی کی سنت کو جاننے والا تم نے نہیں پایا ہوگا۔"

(ملاحظہ فرمائیں الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم جلد 8 صفہ 72) (نیز ملاحظہ فرمائیں سکین نمبر 4)

4

ابن يزيد و عقيل و الاوزاعى و الزبيدى سمعت ابى يقول ذلك • نا عبد الرحمن نا ابو عبد الله (١) الطهرانى انا عبد الرزاق عن معمر قال قال عمر بن عبد العزيز لجلسائه : هل تأتون ابن شهاب ؟ قالوا انا لنفعل قال فأتوه فانه لم يبق احد اعلم بسنة {٤٧ م ٥} ماضية منه قال معمر و ان الحسن و ضرباءه لاحياء يومئذ •

نا عبد الرحمن نا محمد بن عوف حدثنى ابن ابى اسامة الرقى نا ابى عن جعفر بن برقان عن عمرو بن ميمون (٢) عن عمر بن عبد العزيز قال مارأيت احدا احسن سوقا للحديث اذا حدث من الزهرى • نا عبد الرحمن نا محمد بن يحيى انا محمود بن غيلان نا عبد الرزاق انا معمر قال قال عمر ابن عبد العزيز : عليكم بابن شهاب هذا فانكم لاتلقون احدا اعلم بالسنة الماضية منه • نا عبد الرحمن نا احمد بن سنان الواسطى قال سمعت عبدالرحمن ابن مهدى يقول سمعت مالك بن انس يقول حدث الزهرى يوما حديثا (٣) فلما قام قمت فأخذت بعنان دابته فاستفهمته قال تستفهمنى ما استفهمت عالما ولارددت على عالم قط قال فجعل عبد الرحمن بن مهدى يعجب فذيك الطوال ؟ فتلك (٤) المغازى ؟ •

نا عبد الرحمن نا احمد بن عبد الرحمن ابن اخى وهب قال اخبرنى عمى قال انا الليث بن سعد قال قال ابن شهاب : ما استودعت قلبى علما فنسيه • نا عبد الرحمن نا على بن الحسن الهسنجانى نا يحيى بن عبد الله ابن بكير قال اخبرنى ابن القاسم قال سمعت مالكا يقول : بقى ابن شهاب و ماله فى الدنيا نظير • نا عبد الرحمن قال ذكره ابى عن اسحاق بن منصور عن يحيى بن معين انه قال : الزهرى ويحيى بن سعيد اثبت فى القاسم

---

(١) ك «ابو عبيد» كذا وتقدم (٣/٢/٢٤٠) «محمد بن حماد الطهرانى ابو عبدالله روى عن عبد الرزاق ... سمعت منه ...» (٢) ك «منصور» (٣) م «بحديث (٤) م «وتلك».

امام عمرو بن دینار رحمہ اللہ (المتوفی 126) فرماتے ہیں:

"مَا رَأَیْتُ أَحَدًا أَبْصَرَ بِحَدِیثٍ مِنَ الزُّہْرِیِّ۔"

میں نے زہری سے زیادہ حدیث کی بصیرت رکھنے والا کوئی نہیں دیکھا۔

(ملاحظہ فرمائیں طبقات الکبریٰ لابن سعد جلد 5 صفحہ 354)

(نیز ملاحظہ فرمائیں سکین نمبر 5)

الطبقات الكبرى

لمحمد بن سعد بن منيع الهاشمي البصري

المعروف بابن سعد

الجزء الخامس

في طبقات أهل المدينة من التابعين

دراسة وتحقيق

محمد عبد القادر عطا

دار الكتب العلمية

بيروت - لبنان

5

أخبرنا محمد بن عمر، قال: حدّثنا عبد الرحمن بن عبد العزيز، قال: دخل عبيدالله بن عمر ومالك بن أنس على الزُهري، وعيني الزُهري بهما رطوبة وهو منكبٌ، على وجهه خرقة سوداء. فقالا: كيف أصبحت يا أبا بكر؟ فقال: لقد أصبحت وأنا مُعْتَلّ من عيني. فقال عبيدالله: جئناك لنعرض عليك شيئاً من حديثك. فقال: لقد أصبحت وأنا مُعْتَلّ. فقال عبيدالله: اللهم غفراً، والله ما كنا نصنع بك هذا حين كنا نأتي سالم بن عبدالله، ثم قال: عبيدالله، اقرأ يا مالك فرأيت مالكاً يقرأ عليه.

فقال الزُهري: حسبك عافاك الله ثم عاد عبيدالله فقرأ. قال عبد الرحمن: فرأيت مالكاً يقرأ على الزُهري.

أخبرت عن سفيان بن عُيينة، قال: قال عمرو بن دينار: ما رأيت أحداً أبصر بحديث من الزُهري.

قال سفيان: وكان الزُهري يُعرض عليه الشيء، قال: وجاء إليه ابن جريج فقال: إني أريد أن أعرض عليك كتاباً، فقال: إن سعداً قد كلمني في ابنه وسعد سعد. فقال لي ابن جُريج: أما رأيته يَفْرَق منه. فذكر حديث أبي الأحوص فقال له سعد: ومن أبو الأحوص؟ قال: أما رأيت الشيخ الذي بمكان كذا وكذا؟ يصفه له.

قال سفيان: وأجلس الزُهري عليّ بن زيد معه على فراشه، وعلى الزهري ثوبان قد غُسلا فكأنه وجد ريح الأشنان، فقال: ألا تأمر بهما فيُجَمّرا. وجاء الزُهري عند المغرب فدخل المسجد، ما أدري طاف أم لا؟ فجلس ناحية وعمرو مما يلي الأساطين، فقال له إنسان: هذا عمرو، فقال فجلس إليه. فقال له عمرو ما منعني أن آتيك إلا أني مُقعد، فتحدثا ساعةً وتساءلا، وكان الزُهري إذا حدث قال: حدّثني فلان وكان من أوعية العلم، قال: وقال عبد الرحمن بن مهدي، عن وُهيب قال: سمعت أيوب يقول: ما رأيت أحداً أعلم من الزُهري. قال فقال صخر بن جُوَيرية: ولا الحسن؟ قال: ما رأيت أحداً أعلم من الزُهري.

وقال عبد الرحمن بن مهدي: عن حمّاد بن زيد، عن بُرْد عن مكحول قال: ما رأيت أحداً أعلم بسنة ماضية من الزُهري.

وقال شُعيب بن حرب: قال مالك بن أنس: كنا نجلس إلى الزُهري وإلى

٣٥٤

عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ (المتوفی 198) فرماتے ہیں:

"ما رأیت أحدًا أعلم من الزہری، فقال لہ صخر بن جویریۃ: ولا الحسن: قال: ما رأیت أحدًا أعلم من الزہری۔"

میں نے کسی کو زہری سے زیادہ اعلم نہیں دیکھا، تو صخر بن جویریہ نے ان سے کہا: حسن البصری بھی نہیں؟ انہوں نے اپنا قول دہراتے ہوئے فرمایا: میں نے کسی کو زہری سے زیادہ اعلم نہیں دیکھا۔

(ملاحظہ فرمائیں تاریخ مدینہ دمشق جلد 55 صفحہ 347)

(نیز ملاحظہ فرمائیں سکین نمبر 6)

تاريخ مدينة دمشق

وذكر فضلها وتسمية من حلها من الأماثل أو اجتاز بنواحيها من وارديها وأهلها

تصنيف

الإمام العالم الحافظ أبي القاسم علي بن الحسن ابن هبة الله بن عبد الله الشافعي

المعروف بابن عساكر

٤٩٩هـ - ٥٧١هـ

دراسة وتحقيق

محب الدين أبي سعيد عمر بن غرامة العمروي

الجزء الخامس والخمسون

محمد

دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع

الرَّحْمٰن بن مهدي، عَن وُهَيب[١]، قال: سمعت أيوب قال: ما رأيت أحداً أعلم من الزُهْرِيّ، فقال له صخر بن جويرية: ولا الحَسَن؟ فقال: ما رأيت أحداً أعلم من الزُهْرِيّ.

أَخْبَرَنَا أَبُو القَاسم بن [أبي][٢] الأشعث، أَنبَأنَا مُحَمَّد بن هبة اللّه، أَنبَأنَا مُحَمَّد بن الحَسَن، حَدَّثَنَا عَبْد اللّه بن جَعْفَر، ثنا يعقوب[٣]، ثنا مُحَمَّد بن عَبْد اللّه بن عمّار، ثنا عَبْد الرَّحْمٰن بن مهدي[٤]، عَن وُهيب قال: سمعت أيوب يقول: ما رأيتُ أحداً أعلم من الزُهْرِيّ، قال له صخر بن جويرية: ولا الحَسَن؟ قال: ما رأيتُ أحداً أعلم من الزُهْرِيّ.

أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْد اللّه الحُسَيْن[٥] بن مُحَمَّد، أَنبَأنَا أَبُو الفضل بن خيرون، أَنبَأنَا مُحَمَّد بن عُمَر بن بكير، أَنبَأنَا عُثْمَان بن أَحْمَد بن سمعان، ثنا الهيثم بن خلف، ثنا مَحْمُود بن غيلان، ثنا أَبُو داود، عَن وُهيب قال: سمعت أيوب يقول: ما رأيتُ أحداً أعلم من الزُهْرِيّ، فقال له صخر: أَلَمْ تَرَ الحَسَن؟ أَلَمْ تَرَ ابن سيرين؟ قال: لم أَرَ أحداً أعلم من الزُهْرِيّ.

أَخْبَرَنَا أَبُو القَاسِم بن السَّمَرْقَنْدي، أَنبَأنَا أَبُو القَاسم بن مسعدة، أَنبَأنَا حمزة بن يوسف، أَنبَأنَا أَبُو أَحْمَد بن عدي، ثنا مُحَمَّد بن الربيع الجيزي، ثنا أَبُو عُثْمَان المقدمي، ثنا عَلي بن المديني، ثنا فهر بن أسد، عَن وُهَيْب قال: سمعت أيوب يقول: ما رأيتُ أعلم من الزُهْرِيّ، قال: قلت: وَلا الحَسَن؟ قال: ما رأيتُ أعلم من الزُهْرِيّ.

أَخْبَرَنَا أَبُو الحَسَن الفرضي، حَدَّثَنَا عَبْد العزيز الكتَّاني، أَنبَأنَا أَبُو مُحَمَّد بن أَبي نصر، أَنبَأنَا أَبُو عَبْد اللّه جَعْفَر بن مُحَمَّد بن جَعْفَر الكندي، أَنبَأنَا أَبُو زيد أَحْمَد بن عَبْد الرحيم الحوطي، حَدَّثَنَا مُحَمَّد بن عيسى - وهو ابن الطباع - قال: سمعت سفيان بن عيينة يقول: قال لي أيوب السختياني: ما أعلم بعد الزُهْرِيّ أعلم بعلم أهل الحجاز من يَحْيَىٰ بن أَبي كثير، قال: فقال سفيان: لم يكن في الناس أحدٌ أعلم بالسُّنَّة من الزُهْرِيّ.

أَخْبَرَنَا أَبُو القَاسِم بن السَّمَرْقَندي، أَنبَأنَا أَبُو بَكْر بن الطبري، أَنبَأنَا أَبُو الحُسَيْن بن الفضل، أَنبَأنَا عَبْد اللّه بن جَعْفَر، ثنا يعقوب بن سفيان[٦]، ثنا ابن أَبي عُمَر قال: قال سفيان:

(١) من طريقه رواه الذهبي في سير أعلام النبلاء ٥/٣٣٦ وتهذيب الكمال ١٧/٢٢٩.
(٢) زيادة لازمة.
(٣) رواه يعقوب بن سفيان في المعرفة والتاريخ ١/٦٣٧ والبداية والنهاية ٩/٣٤٣.
(٤) في المعرفة والتاريخ: منذر.
(٥) في «ز»: الحسن بن محمد.
(٦) المعرفة والتاريخ ١/٦٢١.

ابن ابی حاتم رحمہ اللہ (المتوفی 327) فرماتے ہیں:

" أول من أسند الحديث ابن شهاب الزهری۔"

سب سے پہلے جس نے حدیث کی سند (پر دھیان) دیا وہ ابن شہاب الزہری تھے۔

(ملاحظہ فرمائیں اکمال تہذیب الکمال فی اسماء الرجال جلد 1 صفہ 16) (نیز ملاحظہ فرمائیں سکین نمبر 7)

وَأَنْكَرْتَ هَذَا؟ أَمْ أَنْكَرْتَ حَدِيثِي كُلَّهُ، وَعَرَفْتَ هَذَا؟ فَقَالَ لَهُ ابن عَبَّاس: إِنَّا كُنَّا نُحَدِّثُ عَنْ رَسُول الله صلى الله عليه وسلم، إِذْ لَمْ يَكُنْ يُكْذَبُ عَلَيْهِ، فَلَمَّا رَكِبَ النَّاسُ الصَّعْبَ وَالذَّلُولَ، تَرَكْنَا الحَدِيثَ عَنْهُ.

وعَنْ مُجَاهِد، قَالَ: جَاءَ بُشَيْر العَدَوِيّ إِلَى ابن عَبَّاس، فَجَعَلَ يُحَدِّثُ وَيَقُولُ: قَالَ رَسُولُ الله صلى الله عليه وسلم، قَالَ رَسُولُ الله صلى الله عليه وسلم، فَجَعَلَ ابن عَبَّاس لا يَأْذَنُ لِحَدِيثِهِ، وَلا يَنْظُرُ إِلَيْهِ، فَقَالَ: يَا ابن عَبَّاس؛ مَا لِي لا أَرَاكَ تَسْمَعُ لِحَدِيثِي، أُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُولِ الله صلى الله عليه وسلم، وَلا تَسْمَعُ، فَقَالَ ابن عَبَّاس: إِنَّا كُنَّا مَرَّةً، إِذَا سَمِعْنَا رَجُلا يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ الله صلى الله عليه وسلم؛ ابْتَدَرَتْهُ أَبْصَارُنَا، وَأَصْغَيْنَا إِلَيْهِ بِآذَانِنَا، فَلَمَّا رَكِبَ النَّاسُ الصَّعْبَ وَالذَّلُول، لَمْ نَأْخُذْ مِنَ النَّاسِ إلا مَا نَعْرِفُ.

وهذا الذي ذكر من احتياط بعض الصحابة في حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم، وتثبتهم من الرواة، لم يكن كثيرًا، ولا صريحًا بالاتهام؛ لعدم كثرة دواعيه، ولما سبق من قول عمر لأبي موسى: أما إني لم أتَّهمك.

ثم تكلَّم التابعون في الجرح، وكان كلامهم في ذلك قليلا أيضًا؛ لقرب العهد بمنبع الوحي، رسول الله صلى الله عليه وسلم، وعامة من تكلم فيه آنذاك إنما كان للمذهب، كالخوارج، أو لسوء الحفظ، أو الجهالة؛ فإنهم لم يكونوا يعرفوا الكذب.

قال علي بن المديني: محمد بن سيرين أوَّل من فتَّش عن الإسناد، لا نعلم أحدًا أوَّل منه.

وروى الأعمش، عن إبراهيم النخعي، قال: إنما سُئل عن الإسناد أيام المختار.

أخرج مسلم بسنده عَن ابن سِيرِين، قَالَ: لَمْ يَكُونُوا يَسْأَلُونَ عَنِ الإِسْنَادِ، فَلَمَّا وَقَعَتِ الفِتْنَةُ قَالُوا: سَمُّوا لَنَا رِجَالَكُمْ، فَيُنْظَرُ إِلَى أَهْلِ السُّنَّةِ فَيُؤْخَذُ حَدِيثُهُمْ، وَيُنْظَرُ إِلَى أَهْلِ البِدَعِ فَلا يُؤْخَذُ حَدِيثُهُمْ.

وروى ابن أبي حاتم بسنده إلى خالد بن نزار، قال: سمعت مالكًا يقول: أول من أسند الحديث ابن شهاب الزهري.

وقال يحيى بن سعيد القطان: الشعبي أول من فتش عن الإسناد.

وقال يعقوب بن شيبة: سمعت علي بن المديني يقول: كان ابن سيرين ممَّن ينظر في الحديث ويفتش عن الإسناد، لا نعلم أحدًا أول منه، ثم كان أيوب، وابن عون، ثم كان شعبة، ثم كان يحيى بن سعيد القطان، وعبد الرحمن بن مهدي.

قال يعقوب: قلت لعلي: فمالك بن أنس؟ فقال: أخبرني سفيان بن عيينة، قال: ما كان أشد انتقاء مالك للرجال.

قال الذهبي: فأول من زكى وجرح عند انقضاء عصر الصحابة: الشعبي، وابن سيرين، ونحوهما، وحفظ عنهم توثيق أناس وتضعيف آخرين.....، فلما كان عند انقراض عامة

قاسم بن ابی سفیان المعمری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سفیان بن عیینہ سے پوچھا:

"أیما أفقہ أو أعلم إبراہیم النخعی أو الزہری قال الزہری۔"
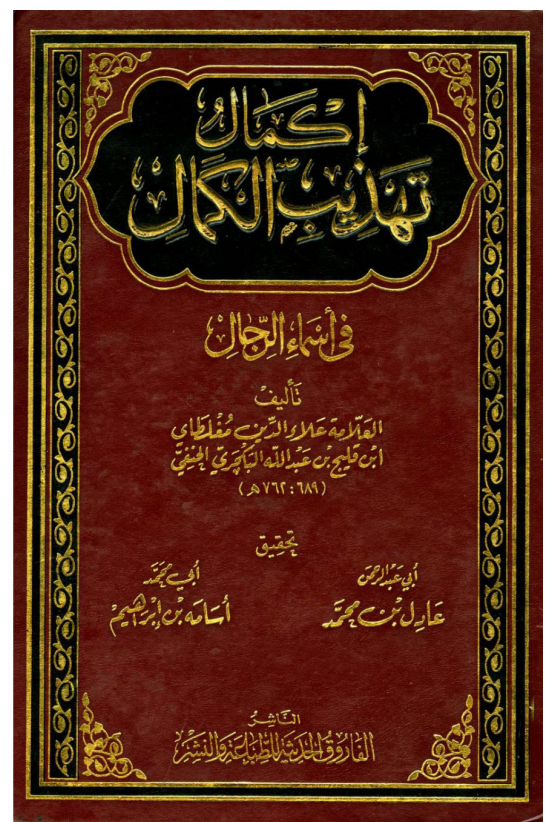
ابراہیم النخعی اور زہری میں سے کون زیادہ بڑا فقیہ اور عالم ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: "زہری زیادہ بڑے ہیں۔"

(ملاحظہ فرمائیں تاریخ مدینہ دمشق جلد 55 صفحہ 355)

(نیز ملاحظہ فرمائیں سکین نمبر 8)

بَكر مُحَمَّد بن أَحْمَد، ثنا جدي يعقوب، ثنا مُحَمَّد بن معاوية، قال: سمعت سفيان بن عيينة يقول: مات الزُهْرِيّ يوم مات وهو أعلم الناس بالسُّنّة.

قال: وحَدَّثَنا جدي، ثنا القاسم بن أَبي سفيان المعمري قال [سألت][١] سفيان بن عيينة: قلت: أيما أفقه أو أعلم: إبْرَاهيم النخعي أو الزُهْرِيّ؟ فقال: الزُهْرِيّ، لا أبا لك.

أَخْبَرَنَا أَبُو القَاسِم بن السَّمَرْقَنْدي، أَنْبَأنَا مُحَمَّد بن أَحْمَد بن مُحَمَّد الأنباري، أَنْبَأنَا أَبُو الحَسَن مُحَمَّد بن المغلس بن جَعْفَر بن مُحَمَّد البغدادي البزاز، أَنْبَأنَا أَبُو مُحَمَّد الحَسَن بن رشيق العسكري، ثنا أَبُو القَاسم جَعْفَر بن مُحَمَّد بن المغلس البزاز، حَدَّثَنَا مُحَمَّد بن عَبْد الملك بن زنجوية، ثنا عَبْد الرزّاق، عَن ابن عيينة قال: مُحَدثو أهل الحجاز ثلاثة: ابن شهَاب، ويَحْيَىٰ بن سعيد، وابن جُرَيج.

أَخْبَرَنَا أَبُو مُحَمَّد المزكي، ثنا أَبُو مُحَمَّد الصوفي، أَنْبَأنَا أَبُو مُحَمَّد العدل، أَنْبَأنَا أَبُو الميمون، ثنا أَبُو زرعة[٢]، ثنا أَبُو مسهر، ثنا سعيد بن عَبْد العزيز، عَن سُلَيْمَان بن موسى قال: إن جاءنا العلم من الحجاز من الزُهْرِيّ قبلناه، وإن جاءنا من الشام عن مكحول قبلناه، وإن جاءنا من الجزيرة عن ميمون قبلناه، وإن جاءنا من العراق عن الحَسَن قبلناه، قال سعيد: كان هؤلاء الأربعة العلماء في زمان هشام بن عَبْد الملك.

أَخْبَرَنَا أَبُو القَاسم إسْمَاعيل بن أَحْمَد، أَنْبَأنَا مُحَمَّد بن هبة الله، أَنْبَأنَا مُحَمَّد بن الحُسَيْن، أَنْبَأنَا عَبْد الله، ثنا يعقوب[٣]، ثنا زيد بن بشر، أَنْبَأنَا ابن وهب، أَخْبَرَني الليث، عَن الجمحي قال: لولا ابن شهَاب لذهب كثير من السُنن.

قال: وحَدَّثَنَا يعقوب، حَدَّثَني مُحَمَّد بن عَبْد الرحيم قال: قال عَلي: الذين أفتوا: الحَكَم، وحمَّاد، وقَتَادة، والزُهْرِيّ [والزهري][٤] أفقههم عندي.

أَخْبَرَنَا أَبُو مُحَمَّد بن طاوس، أَنْبَأنَا ابن أَبي عُثْمَان، أَنْبَأنَا أَبُو عُمَر، أَنْبَأنَا مُحَمَّد، حَدَّثَنَا جدي يعقوب، قال: سمعت عَلي بن عَبْد الله ـ هو ابن المديني ـ يقول: أفتى أربعة: الحكم، وحمَّاد، وقَتَادة، والزُهْرِيّ [الزهري][٥] عندي أفقههم[٦].

(١) زيادة لازمة عن «ز».
(٢) مختصراً في تاريخ أبي زرعة ١/ ٢٤٩.
(٣) المعرفة والتاريخ ١/ ٦٣٥.
(٤) زيادة لازمة عن «ز».
(٥) زيادة منا للإيضاح.
(٦) مرّ الخبر عن ابن المديني قريباً.

تاريخ

مدينة دمشق

وذكر فضلها وتسمية من حلها من الأماثل أو اجتاز بنواحيها من وارديها وأهلها

تصنيف

الإمام العالم الحافظ أبي القاسم علي بن الحسن ابن هبة الله بن عبد الله الشافعي

المعروف بابن عساكر

٤٩٩ هـ - ٥٧١ هـ

دراسة وتحقيق

محب الدين أبي سعيد عمر بن غرامة العمروي

الجزء الخامس والخمسون

محمد

دار الفكر
للطباعة والنشر والتوزيع

امام ابوالحسن العجلی رحمہ اللہ (المتوفی 261) فرماتے ہیں:

"تابِعِیٌ ثِقَۃ۔"

اسی صفحہ پر مزید نیچے حاشیہ میں بھی عمر بن عبدالعزیز اور امام ملک کی گواہی بھی موجود ہے۔

(ملاحظہ فرمائیں کتاب الثقات للعجلی جلد 2 صفحہ 412)

(نیز ملاحظہ فرمائیں سکین نمبر 9)

(9)

١٤٩٦ ــ محمد بن كناسة الأسدي (٧٢) يكنى أبا يحيى : (كوفي) ثقة .

١٤٩٧ ــ محمد بن ماهان (٧٣) : (واسطى) ، صدوق ، كنيته أبو حنيفة .

١٤٩٨ ــ محمد بن المبارك الصُّوري (٧٤) : ثقة .

١٤٩٩ ــ محمد بن مسلم بن عائِذ (٧٥) : (مدني) ، ثقة .

١٥٠٠ ــ محمد بن مسلم بن عبد الله بن شهاب الزهري (٧٦) : (مدني) ، تابعي ، ثقة .

---

(٧٢) هو محمد بن عبد الله بن عبد الأعلى المعروف بابن كناسة : وثقه أيضاً : ابن معين ، وابو داود ، و يعقوب بن شيبة ، وغيرهم . « التهذيب » (٩ : ٢٥٩) .

(٧٣) له ذكر في الميزان (٤ : ٢٣) . اللسان (٥ : ٣٥٧) .

(٧٤) محمد بن المبارك بن يعلى القرشي الصوري ، أبو عبد الله القلانسي ، سكن دمشق : متفق على توثيقه ، أخرج له الجماعة ، مترجم في « التهذيب » (٩ : ٤٢٢) .

(٧٥) وثقه أيضاً ابن حبان (٧ : ٣٤٩) ، « التهذيب » (٩ : ٤٤٥) .

(٧٦) محمد بن مُسلم بن عُبَيْد الله بن عبد الله بن شِهاب الزّهري من زهرة ، وكنيته أبو بكر ، (٥٠ ــ ١٢٤) سكن بأيلة ، كان إماماً ، حجة في الفقه والحديث . حريصاً على الطلب ، بصيراً بالقرآن ، حتى صار مرجع علماء الحجاز والشام . قال فيه الليث : ما رأيت عالماً قط أجمع من الزهري . يحدث في الترغيب فتقول : لا يحسن إلا هذا ، وإن حدث عن العرب والأنساب قلت : لا يحسن إلا هذا ، وإن حدث عن القرآن والسنة فكذلك .

وقال عمر بن عبد العزيز : « لم يبق أحد أعلم بسنَّةٍ ماضيةٍ من الزهري » .

وقال مالك : بقي ابن شهاب وماله في الدنيا نظير .

وأفاض المحدثون في توثيق رواية الزهري ، فقال ابن الصلاح : رُوِّينا عن أبي بكر بن شيبة أنه قال : أصح الأسانيد كلها : الزهريُّ ، عن علي بن الحسين عن أبيه ، عن عليّ ، ولكن البخاريَّ قال : أصح الأسانيد كلها : مالك عن نافع عن ابن عمر .

وقال عبد الغني في (الكمال) منسوباً إلى النسائي : أحسنُ أسانيدَ رُوِيَ عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أربعة :
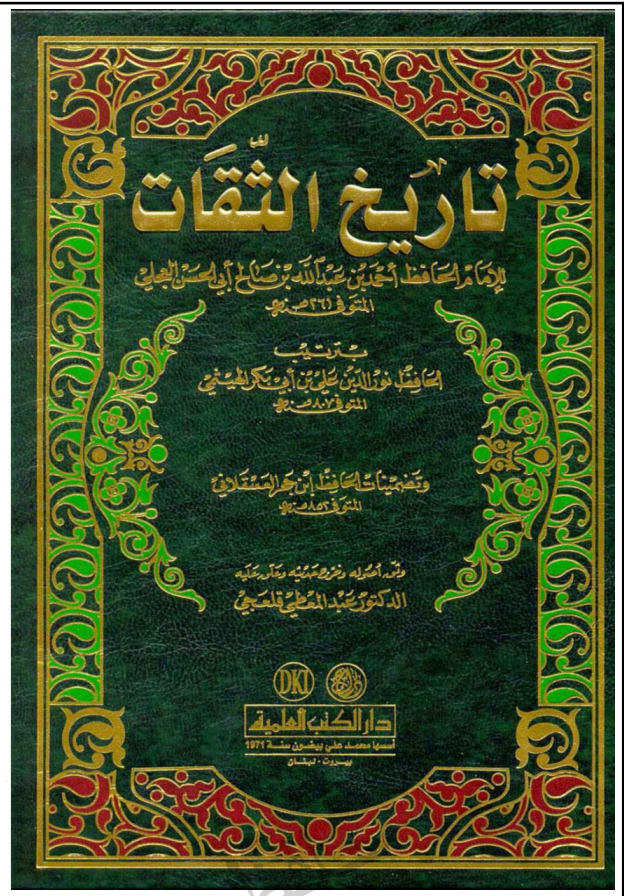
امام ابوزرعہ الرازی رحمہ اللہ (المتوفی 264) سے پوچھا گیا:

"أَیُّ الإِسنادِ أَصَحُّ ؟ قال الزہری عن سالم عَنْ أَبِیہِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم صحیح۔" کون سی اسناد سب سے زیادہ صحیح ہے؟ انہوں نے فرمایا، زہری عن سالم عن ابیہ عن النبی ﷺ سب سے زیادہ صحیح ہے۔۔۔۔ (اور پھر دو مزید اسانید بیان کیں)۔

(ملاحظہ فرمائیں الجرح والتعدیل ابن ابی حاتم جلد 2 صفحہ 26) (نیز ملاحظہ فرمائیں سکین نمبر 10)

(10)

حدثنا عبدالرحمن قال سألت ابا زرعة فقلت اى الاسناد اصح ؟ قال الزهرى عن سالم عن ابيه عن النبى صلى الله عليه و سلم صحيح ، و منصور عن ابراهيم عن علقمة عن عبدالله عن النبى صلى الله عليه وسلم صحيح ، و ابن عون عن محمد بن سيرين عن عبيدة السلمانى عن على عن النبى صلى الله عليه وسلم صحيح .

حدثنا عبدالرحمن قال سألت ابا زرعة عن سهيل بن ابى صالح عن ابيه عن أبى هريرة احب اليك او العلاء بن عبد الرحمن عن ابيه عن ابى هريرة ؟ قال سهيل اشبه .

حدثنا عبدالرحمن قال قلت لابى زرعة ابن ابى الزناد عن ابيه عن الاعرج عن ابى هريرة احب اليك او العلاء بن عبدالرحمن عن ابيه عن ابى هريرة ، اوسهيل [بن ابى صالح ــ ١] عن ابيه عن ابى هريرة ؟ قال جميعا ما اقربهم .

حدثنا عبدالرحمن قال سألت ابازرعة عن ابن ابى الزناد وورقاء و شعيب بن ابى حمزة و المغيرة بن عبدالرحمن [المدينى ــ ١] كلهم عن ابى الزناد [عن الاعرج ــ ١] عن ابى هريرة عن النبى صلى الله عليه و سلم من احب اليك منهم ؟ {٢١ م} قال ورقاء احب الى من كلهم ، قلت بعده من احب اليك ؟ قال المغيرة احب الى من ابن ابى الزناد و شعيب ، قلت فابن ابى الزناد و شعيب ؟ قال شعيب اشبه حديثا و اصح منه .

(٢) حدثنا عبدالرحمن قال سمعت ابى يقول جاريت احمد بن حنبل من شرب النبيذ من محدثى الكوفة وسميت له عددا منهم فقال هذه زلات لهم و لا تسقط بزلاتهم عدالتهم .

---

(١) من م (٢) هذه الحكاية و التى تليها تاخرتا فى م الى آخر الباب الآتى « باب بيان صفة من يحتمل » .

حدثنا
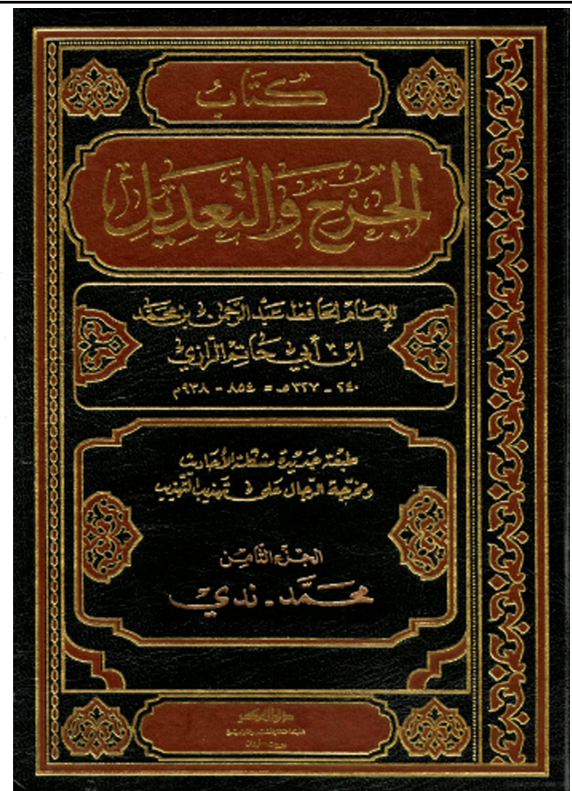
امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی 275) فرماتے ہیں:

"الزہری احب الی من الاعمش ، تحتج بحدیثہ ، واثبت اصحاب انس الزہری ۔"

زہری مجھے اعمش سے بھی زیادہ پسند ہیں، ان کی حدیث سے حجت پکڑی جاتی ہے، اور انس رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے زہری سب سے زیادہ ثبت (ثقہ) ہیں۔

(ملاحظہ فرمائیں الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم جلد 8 صفحہ 74) (نیز ملاحظہ فرمائیں سکین نمبر 11)

11

كتاب الجرح و التعديل ٧٤ (محمد) ج ٤ - قسم ١

فى الناس احد اعلم بسنة (١) منه - يعنى الزهرى . حدثنا عبد الرحمن حدثنى
ابى نا ابن الطباع نا سفيان قال قال [لى - ٢] ابو بكر الهذلى : قد جالسنا
الحسن و ابن سيرين فما رأينا (٣) احدا اعلم منه - يعنى الزهرى ،
نا عبد الرحمن نا اسماعيل بن ابى الحارث نا احمد بن حنبل عن (٤) عبد الرزاق
قال قال معمر : ما رأيت مثل الزهرى فى وجهه قط .

نا عبد الرحمن نا ابى نا هارون بن سعيد الايلى قال اخبرنى خالد
[يعنى - ٢] بن نزار عن سفيان بن عيينة عن عمرو بن دينار قال :
ما رأيت اعلم من الزهرى - ولقى رجالا ، حدثنا عبد الرحمن نا صالح
ابن احمد بن محمد بن حنبل نا على يعنى ابن المدينى - قال سمعت سفيان
يقول : لم ارمن هؤلاء افقه من الزهرى وحماد و قتادة [نا محمد بن احمد
ابن البراء قال قال على ابن المدينى : لم يكن بالمدينة بعد كبار التابعين اعلم
من ابن شهاب و يحيى بن سعيد وابى الزناد و بكير بن عبد الله بن
الاشج - ٢] ، نا عبد الرحمن حدثنى ابى نا هارون بن سعيد قال اخبرنى خالد
ابن نزار قال سمعت مالكا يقول : اول من اسند الحديث ابن شهاب .
نا عبد الرحمن حدثنى ابى نا هارون قال اخبرنى خالد عن سفيان قال :
كان الزهرى اعلم اهل المدينة . نا عبد الرحمن سمعت ابى يقول : الزهرى
احب الى من الاعمش ، يحتج بحديثه ، و اثبت اصحاب انس الزهرى .
نا عبد الرحمن قال سئل ابوزرعة عن الزهرى وعمرو بن دينار فقال :
الزهرى احفظ (٥) الرجلين ، نا عبد الرحمن قال سمعت ابى يقول قلت
لابراهيم بن موسى بن شهاب الزهرى عندك فقيه ؟ فقال نعم فقيه -
و جعل يفخم امره .

٣١٩ - محمد { ٤٩ م ٥ } بن مسلم المكى ابو الزبير و هو ابن مسلم بن
تدرس مولى حكيم بن حزام القرشى روى عن جابر بن عبد الله وابن

(١) م « بالسنة » (٢) من م (٣) ك « فما رأيت » (٤) م « نا » (٥) م « اثبت » .

عمر

كتاب

الجرح والتعديل

للإمام الحافظ عبد الرحمن بن محمد
ابن أبي حاتم الرازي
٢٤٠ - ٣٢٧هـ = ٨٥٤ - ٩٣٨م

طبعة جديدة مشكلة الأحاديث
ومخرجة الرجال على تهذيب التهذيب

الجزء الثامن

محمد - ندي
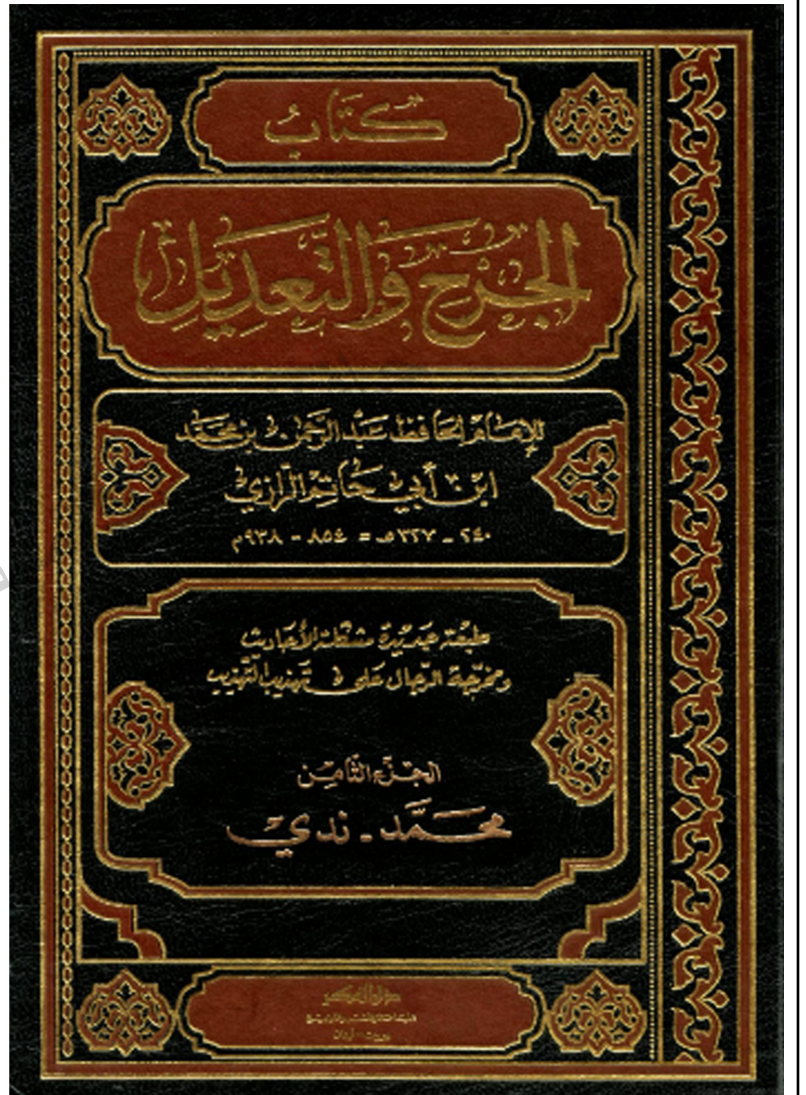
امام شمس الدین الذہبی رحمہ اللہ (المتوفی 748) نے سیر اعلام النبلاء میں 24 صفحات پر مشتمل امام زہری کی تفصیلی سیرۃ لکھی، اور فرمایا:

"الإِمَامُ، العَلَمُ، حَافِظُ زَمَانِہ "یعنی علم کے امام فرمایا ہے انہیں۔

(ملاحظہ فرمائیں سیر اعلام النبلاء جلد 5 صفحہ 326)

(نیز ملاحظہ فرمائیں سکین نمبر 12)

وعنه ابنه الحسن، وحجاج بن أرطاة، وقُرة بن خالد، وزكريا بن أبي زائدة، ومِسْعَر، وخلق.

وكان شيعياً توفي سنة إحدى عشرة.

١٦٠ ـ أخبار الزهـري * (ع)

محمد بن مسلم بن عُبيد الله بن عبد الله بن شهاب بن عبد الله بن الحارث بن زُهرة بن كِلاب بن مرة بن كعب بن لؤي بن غالب، الإمامُ العلم، حافظ زمانه أبو بكر القرشي الزهري المدني نزيل الشام.

روى عن ابن عُمر، وجابر بن عبد الله شيئاً قليلاً، ويَحْتمِلُ أن يكون سمع منهما، وأن يكون رأى أبا هريرة وغيره، فإن مولده فيما قاله دحيم وأحمد بن صالح في سنة خمسين، وفيما قاله خليفة بن خياط: سنة إحدى وخمسين.

وروى عنبسة: حدثنا يونس بن يزيد، عن ابن شهاب، قال: وفدتُ إلى مروان، وأنا مُحتلِمٌ، فهذا مطابق لما قبله، وأبى ذلك يحيى بن بُكير، وقال: وُلِدَ سنة ست وخمسين حتى قال له يعقوب الفَسوي، فإنَّهم يقولون: إنه وفد إلى مروان، فقال: هذا باطل، إنما خرج إلى عبد الملك بن مروان، وقال: لم يكن عنبسة موضعاً لكتابة الحديث.

قال أحمد العجلي: سمع ابنُ شهاب من ابن عمر ثلاثة أحاديث، وقال عبد

* طبقات خليفة: ٢٦١، التاريخ الكبير ١/٢٢٠، التاريخ الصغير ١/٣٢٠، تاريخ الفسوي ١/٦٢٠، الجرح والتعديل ٨/٧١، معجم المرزباني: ٣٤٥، حلية الأولياء ٣/٣٦٠، ٣٨١، طبقات الشيرازي: ٦٣، تهذيب الأسماء ١/٩٠، ٩٢، وفيات الأعيان ٤/١٧٧، ١٧٩، تهذيب الكمال ١٢٦٨، تاريخ الإسلام ٥/١٣٦، تذكرة الحفاظ ١/١٠٨، ١١٣، ميزان الاعتدال ٤/٤٠، العبر ١/١٥٨، البداية ٩/٣٤٠، ٣٤٤، طبقات القراء ٢/٢٦٢، صفة الصفوة ٢/٧٧، تهذيب التهذيب ٩/٤٤٥، النجوم الزاهرة ١/٢٩٤، طبقات الحفاظ: ٤٢، ٤٣، خلاصة تذهيب الكمال ٣٥٩، شذرات الذهب ١/١٦٢.

٣٢٦

سير أعلام النبلاء
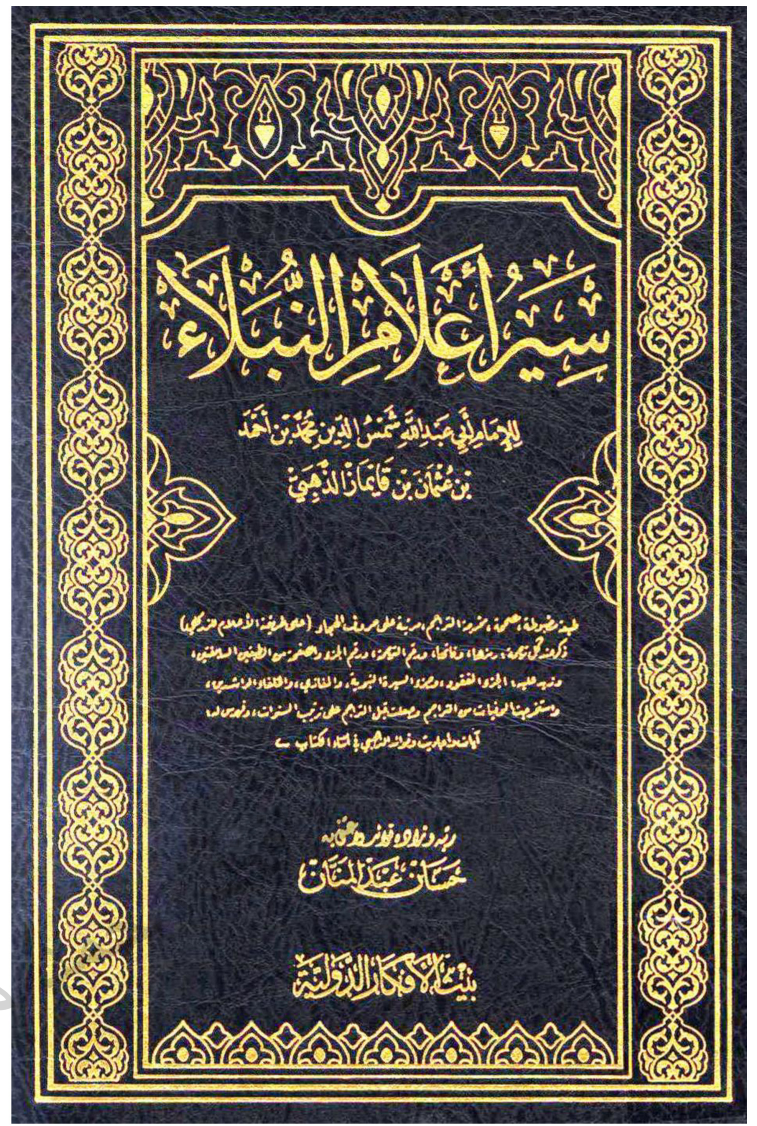
قارئین کرام! اب ذرا تدلیس کے حوالے سے بھی ملاحظہ فرمائیں جس کو غامدی صاحب نے امام زہری رحمہ اللہ سے روایات قبول نہ کرنے میں درج کیا ہے۔

امام زہری رحمہ اللہ اور تدلیس

جناب غامدی صاحب نے امام زہری رحمہ اللہ کی روایات قبول نہ کرنے کی جو تین وجوہات بیان کی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ تدلیس کرتے ہیں۔

غامدی صاحب لکھتے ہیں....... "صحاح میں یہ اصلاً ابن شہاب زہری کی وساطت سے آئی ہیں۔ ائمہ رجال انھیں تدلیس اور ادراج کا مرتکب تو قرار دیتے ہی ہیں، اس کے ساتھ اگر وہ خصائص بھی پیش نظر رہیں جو امام لیث بن سعد نے امام مالک کے نام اپنے ایک خط میں بیان فرمائے ہیں تو ان کی کوئی روایت بھی، بالخصوص اس طرح کے اہم معاملات میں، قابل قبول نہیں ہو سکتی۔"

غامدی صاحب جن ائمہ رجال پر اعتماد کرتے ہوئے امام زہری رحمہ اللہ کو تدلیس اور ادراج کا مرتکب قرار دے رہے ہیں وہی ائمہ رجال امام زہری رحمہ اللہ کی روایات کو قبول کرتے ہیں۔ صحاحِ ستہ کے مؤلفین نے امام زہری رحمہ اللہ سے روایات لی ہیں اور ائمہ جرح وتعدیل نے ان پر صحیح کا حکم بھی لگایا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ائمہ محدثین ورجال کے نزدیک امام زہری رحمہ اللہ کی روایات مردود نہیں بلکہ مقبول ہیں۔ امام زہری رحمہ اللہ کی 'سبعۃ ا؟ حرف' کی جس روایت پر غامدی صاحب تنقید کر رہے ہیں اور اس کو مردود قرار دے رہے ہیں، وہ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ جس کی صحت پر محدثین کا اتفاق ہے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ علم حدیث میں غامدی صاحب کا مقام ومرتبہ کیا ہے یا ان کی خدمات کیا ہیں جس کی بنیاد پر وہ صحیح بخاری کی روایات کو مردود کہہ رہے ہیں؟ امام بخاری رحمہ اللہ کہہ رہے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے اور ان کی رائے کو قبول کیا جائے تو بات سمجھ میں بھی آتی ہے' کیونکہ وہ حدیث کے امام ہیں۔ اسی طرح اگر امام دارقطنی رحمہ اللہ صحیح بخاری کی روایات پر تنقید کریں تو بات سمجھ میں بھی آتی ہے' کیونکہ وہ اس کے اہل بھی ہیں اور فنِ حدیث اور اس کی اصطلاحات کی روشنی میں ہی روایات پر بحث کرتے ہیں' لیکن غامدی صاحب جیسے محقق اگر صحیح بخاری کی روایات کو مردود کہنے لگ جائیں تو علم دین کا اللہ ہی حافظ ہے' کیونکہ نہ تو وہ فنِ حدیث اور اس کی اصطلاحات سے کما حقہ واقف ہیں اور نہ ہی وہ اس کے طے شدہ اصولوں کی روشنی میں احادیث کے بارے میں فیصلہ کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں چند مزید پہلوؤں کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے:

1: پہلی بات تو یہ ہے کہ صرف تدلیس کوئی ایسا عیب نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے کسی راوی کی روایات کو مردود قرار دیا جائے۔ امام ابن صلاح رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ان التدلیس لیس کذبا وانما ھو ضرب من الایھام بلفظ محتمل

''تدلیس جھوٹ نہیں ہے' یہ تو محتمل الفاظ کے ساتھ ابہام کی ایک قسم ہے''۔

2: دوسری بات یہ ہے کہ امام زہریؒ کی تدلیس وہ تدلیس نہیں ہے جس معنی میں متا؟ خرین اس کو تدلیس کہتے ہیں' بلکہ وہ ارسال کی ہی ایک قسم ہے جس کو بعض متقدمین نے تدلیس کہہ دیا۔

شیخ ناصر بن احمد الفہد لکھتے ہیں:

"لم اجد احدا من المتقدمین وصفہ بالتدلیس غیر ان ابن حجر ذکر ان الشافعی والدارقطنی وصفاہ بذلک والذی یظھر انھما ارادا الارسال لا التدلیس بمعناہ الخاص عند المتاخرین او انھم ارادوا مطلق الوصف بالتدلیس غیر القادح... وھو من اھل المدینۃ و التدلیس لا یعرف فی المدینۃ۔"

"میں نے متقدمین میں سے کسی ایک کو بھی نہیں پایا جس نے امام زہری رحمہ اللہ کو تدلیس سے متصف کیا ہو' صرف ابن حجر رحمہ

اللہ نے لکھا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ اور امام دار قطنی رحمہ اللہ نے ان کو تدلیس سے متصف کیا ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کے کلام کا مفہوم یہ ہے کہ امام زہری رحمہ اللہ ارسال کے مرتکب تھے نہ کہ اس معنی میں تدلیس کے کہ جس معنی میں یہ متاخرین میں معروف ہے یا ان کا مقصد امام زہری رحمہ اللہ کو مطلقاً ایسی تدلیس سے متصف کرنا تھا جو کہ عیب دار نہ ہو۔۔۔ امام زہری رحمہ اللہ اہل مدینہ میں سے ہیں اور اہل مدینہ میں تدلیس معروف نہ تھی۔"

3: تیسری بات یہ کہ امام زہری رحمہ اللہ سے تدلیس شاذ و نادر ہی ثابت ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"کان یدلس فی النادر"

''وہ شاذ و نادر ہی تدلیس کرتے تھے''۔

باقی ابن حجر رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ امام زہری رحمہ اللہ تدلیس میں مشہور تھے، صحیح نہیں ہے، کیونکہ متقدمین میں سے کسی نے بھی یہ بات نہیں کی۔

شیخ ناصر بن حمد الفہد لکھتے ہیں:

ویعسر اثبات تدلیس الزھری (التدلیس الخاص) فضلا عن ان یشتھر بہ

''امام زہری رحمہ اللہ کے بارے میں تدلیس (تدلیس خاص) کو ثابت کرنا ہی مشکل ہے چہ جائیکہ یہ دعویٰ کیا جائے کہ وہ تدلیس میں مشہور تھے۔''

امام صنعانی رحمہ اللہ نے بھی ابن حجر رحمہ اللہ پر یہ اعتراض وارد کیا ہے کہ انھوں نے امام زہری رحمہ اللہ کا شمار مدلسین کے تیسرے طبقے میں کیوں کیا ہے!

امام صنعانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"فما کان یحسن ان یعدہ الحافظ ابن حجر فی ھذہ الطبقۃ بعد قولہ انہ اتفق علی جلالتہ واتقانہ۔"

''یہ بات اچھی نہیں ہے کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام زہری رحمہ اللہ کو تیسرے طبقے میں شمار کیا، جبکہ خود ابن حجر کا امام زہری رحمہ اللہ کے بارے میں یہ قول موجود ہے کہ ان کے علمی مقام اور حافظے کی پختگی پر محدثین کا اتفاق ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆